میرے مرشد
حضرت عارفی

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی بزم کے چراغ رُشد و اصلاح کا نور چار دانگ عالم میں پھیلا کر یکے بعد دیگرے عالم بقاء کی زینت بنتے چلے گئے۔ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفیؒ اسی بزم کے آخری چراغوں میں ایک تھے۔ آپ کا اندازِ رشد و اصلاح نہایت سادہ و پُر تاثیر تھا۔ گفتگو اور بیان میں حکیم الامت قدس سرہ کے اقوال و ملفوظات کا تذکرہ اس کثرت سے ہوتا کہ گمان گزرتا حضرت والاؒ کا بیان زبانِ عارفی پر جاری ہے۔

حضرت کی وفات پر ماہنامہ البلاغ کراچی نے حضرت کے تذکرہ پر مشتمل "عارفی نمبر" کے نام سے ضخیم اشاعت کا اہتمام کیا۔ اہل قلم حضرات نے حضرت عارفیؒ کے احوال و سوانح مختلف عنوانات سے پیش کئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اپنے مقالے میں حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کے اندازِ رُشد و اصلاح کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔

ادارۃ المعارف کراچی' افادہ عام کے پیش نظر اس تحریر کو کتابی صورت میں بہترین کمپوزنگ کے ساتھ عمدہ طباعت کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس سعی کو قبول فرما کر قارئین کے لئے فائدہ مند بنائے اور اس کا نفع عام و تام فرمائے۔ آمین

محمد مشتاق تنی

خادم ادارۃ المعارف کراچی

جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
مرشد مشفق حضرت عارفیؒ	۷
حضرت کی خدمت میں پہلی حاضری	۸
مکتوب گرامی بنام حضرت والد صاحبؒ	۹
تخصص فی الافتاء اور درس طریقت	۱۳
دل کی دنیا؟	"
مرشد کی تلاش	۱۴
طبعی مناسبت	۱۵
حضرت والد صاحبؒ سے درخواست	۱۶
حضرت والد صاحبؒ کی مجلس	۱۷
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس	۱۸
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے عقیدت	۱۹
دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات	"
حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء کا مشترک مزاج	۲۰
بیعت سلوک کے متعلق طرح طرح کی توہمات	۲۳
توہمات کا ازالہ	۲۴
حضرت والد صاحبؒ کا ارشاد	۲۶
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت	۲۷
طریقت کے چار سلسلے	۲۸
بیعت کا فائدہ	۳۰
حضرتؒ کا ہومیوپیتھک علاج	۳۳

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت والاؒ کی عنایات	۳۳
حضرتؒ کا گرامی نامہ	۳۵
حضرت والد صاحبؒ کا مکتوب گرامی بنام حضرت عارفیؒ	۳۶
حضرتؒ کا ایک اور مکتوب گرامی بنام والد ماجدؒ	۳۷
مرشد مشفق	۳۸
مشفقانہ تربیت اور مکتوب گرامی	۴۰
لطفی رعایتیں	۴۴
خصوصی مجلس	۴۵
تواضع و شفقت	۴۷
جمعہ کی مجلس	۵۳
حضرتؒ کی ایک غزل	۵۴
یہ کلام	۵۵
آمدم برسر مطلب	"
حضرت والد ماجدؒ کا ملفوظ	۵۸
پیر کا دن	۵۹
درد کا درماں	"
اذان کا جواب	۶۳
اذان کے بعد کی دعا	"
یتیموں کی سرپرستی	۶۵
عیدی اور "واحد نقصان"	۶۷
خوشی آدمی کردی	۷۰
دارالعلوم کی صدارت	"
حضرت کی خدمت میں آخری مکتوب اور اس کا جواب	۷۳

مضمون	صفحہ نمبر
تسلیم و رضا اور رجاء و فنائیت	۷۸
پابندی اوقات	۷۹
ہمت و استقامت	"
ہر ایک سے محبت	۸۰
انداز تربیت	۸۱
خلوص کا منصب	۸۳
علم کی لذت اور علماء	۸۶
حب جاہ کا ایک علاج	۸۷
اللہ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ اور محبت کا مصرف	"
مستحبات کا اہتمام	"
پاس انفاس	۸۸
صراط مستقیم کی عجیب خصوصیت	۹۰
نفسانی اور شیطانی وسوسہ کا فرق	"
ایک لحاظ سے نفس و شیطان بھی ہمارے محسن ہیں	۹۱
سفر	۹۲
زندگی کے آخری دو سفر	۹۳
سفر آخرت کی تیاری	۹۵
وفات سے پونے دو ماہ قبل کی ایک مجلس	۹۶
درس کی آخری مجلس	۹۸
زندگی کی آخری تکلیف	۱۰۱

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم وعلى آله واصحابه اجمعين،
ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين -

مرشد مشفق حضرت عارفیؒ

سیدی و سندی، مرشد مشفق، مربی معظم، حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفیؒ کا یہ شعر اس وقت حسب حال ہے، جو بار بار زبان پر آنے کے بعد اب قلم پر آگیا ہے۔

ہو بھی سکے گا مجھ سے بیاں بزم یار کا؟
اندازہ کر رہا ہوں دل بے قرار کا

آج سے ۳۵ سال قبل ۱۹۵۱ء میں ہم آرام باغ کے قریب، کیمبل اسٹریٹ پر "اقبال منزل" میں رہتے تھے، میری عمر اس وقت پندرہ سال تھی، کچھ فاصلہ پر رابسن روڈ کی ایک دکان کے سامنے سے اکثر گذر ہوتا تھا، یہ ایک ہومیوپیتھک مطب تھا، جس میں ایک دراز قد نورانی بزرگ کے ارد گرد چند آدمی بیٹھے نظر آتے، وہ بزرگ محو گفتگو ہوتے، اور حاضرین ہمہ تن گوش۔ یہ کون لوگ ہیں؟ کبھی یہ سوال بھی دل میں پیدا نہ ہوا۔

رفتہ رفتہ سننے میں آیا "یہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب ہیں" جو ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں۔ پھر کسی نے بتایا کہ یہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی

صاحبؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ پھر جلد ہی یہ دیکھنے میں آیا کہ حضرت والد ماجدؒ سے ان کے بڑے اچھے مراسم ہیں۔

میں اس زمانے میں مسجد باب الاسلام (نزد آرام باغ) میں حفظ قرآن کریم کے مکتب میں زیر تعلیم تھا، دن رات اسی میں مشغولیت رہتی، کچھ فارغ وقت مل جاتا تو وہ لڑکپن کے لاابالی پن میں گزر جاتا، کبھی یہ خیال بھی نہ آیا کہ انکی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔

حضرتؒ کی خدمت میں پہلی حاضری

ایک مرتبہ ہماری بہنوں میں سب سے چھوٹی بہن بیمار ہو گئیں تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا علاج ہوا، والد ماجدؒ نے مجھے دوا لینے کے لئے مطب بھیجا۔ یہ ناچیز کی پہلی حاضری تھی میں نے سلام عرض کر کے حضرت والد صاحبؒ کا پرچہ جس میں مریضہ کا حال لکھا تھا، انکے ہاتھ میں تھمادیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے دوا کی کچھ پڑیاں میرے ایک ہاتھ میں، اور کچھ پڑیاں دوسرے ہاتھ میں عنایت فرمائیں اور ان کے استعمال کا طریقہ بتا ہی رہے تھے کہ میں نے دونوں ہاتھوں کی پڑیاں ایک ہاتھ میں جمع کرلیں۔ آپ نے فوراً اپنی بات کاٹ کر فرمایا کہ "نہیں ان کو الگ الگ رکھنا تھا" یہ کہہ کر وہ پڑیاں واپس لے لیں، اور کمپوڈر کو حکم دیا کہ دوا دوبارہ تیار کردے۔ میں نئی دوا جو اب الگ الگ لفافوں میں دی گئی تھی لے کر سلام کرکے چلا آیا۔ لیکن یہ خیال دماغ میں گھومتا رہا کہ دوا کا معاملہ کیسا نازک ہے، یہاں مریض اور تیماردار کی منطق نہیں چلتی، صرف معالج ہی کی ہدایت پر بے چون چرا عمل ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے پرشفقت دھیمے پن کا احساس ہوا کہ

ذرا بھی تو ناگواری چہرے پر آئی نہ لہجے میں۔ یہ پہلا نقش تھا جو دل پر پہلی ملاقات سے قائم ہوا۔

حضرت عارفیؒ نے یہ شعر اپنے شیخ کے بارے میں کہا ہوگا، لیکن مجھے تو یہ اپنے شیخ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ۔

نہ جانے کس ادا سے میری جانب اس نے دیکھا تھا
ابھی تک دل میں تاثیرِ نظر محسوس ہوتی ہے

مہینے اور سال گزرتے رہے۔ حضرت کے مطب میں حاضرین کا حلقہ بڑھتا رہا تھا، جسمانی مریض بھی ہوتے، روحانی بھی، میں ایسا روحانی مریض تھا جسے اپنی بیماری کی خبر نہ تھی، حضرت عارفیؒ گو گفتگو ہوتے اور حاضرین ہمہ تن گوش، اور میں یہ دیکھتا ہوا بے پروائی سے گزر جاتا۔

۱۳۷۱ھ (۱۹۵۲ء) میں محلہ نانک واڑہ میں دارالعلوم کراچی قائم ہوا جن طلبہ سے اس درسگاہ کا آغاز و افتتاح ہوا، ان میں خوش قسمتی سے احقر، اور برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہٗ بھی شامل تھے، ہماری درسِ نظامی کی تعلیم باقاعدہ شروع ہو گئی، جس میں منہمک ہو کر ہمیں دارالعلوم اور اپنے اسباق کے علاوہ کسی چیز کا ہوش رہا نہ فرصت، اب مطب کے سامنے سے گزرنا بھی کم ہوتا تھا، کبھی کبھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ دارالعلوم کی کسی تقریب میں تشریف لے آتے، یا حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ انکی خدمت میں حاضری ہو جاتی، بہرکیف کوئی خاص تعلق حضرتؒ سے اب بھی قائم نہ ہوا۔ بہ قولِ حضرت عارفیؒ۔

ہے قدم راہِ طلب میں گو وہ ناقص ہی سہی
کچھ تو حاصل کر رہے ہیں، سعیٔ لاحاصل سے ہم

یہ نہ سمجھے کارفرما ہے کسی کا لطف خاص
اپنی حالت سے رہے کچھ اس طرح غافل سے ہم

پھر جب دارالعلوم ۱۹۵۵ء میں کورنگی منتقل ہو گیا تو ہم دونوں بھائی بھی وہیں کے دارالطلبہ میں رہنے لگے جہاں دارالعلوم کی یہ نئی عمارات بنی تھیں، یہ ایک بھیانک ریگستان تھا، نہ کورنگی ٹاؤن بنا تھا، نہ لانڈھی کالونی، سڑک، بجلی، فون، ڈاک خانہ غرض کسی قسم کی شہریت کے آثار میلوں تک نہ تھے، قریب ہی ایک گاؤں "شرافی گوٹھ" کے نام سے تھا، جس کے اردگرد کچھ کھیت اور باغات تھے۔ طالب علمی کا یہ دور تقریباً دیہاتی زندگی کا دور تھا، ہفتہ میں صرف جمعہ کا دن شہر میں لسبیلہ چوک کے پاس اپنے نئے مکان "اشرف منزل" میں والدین کے پاس گزرتا تھا۔ اس میں کبھی کبھار حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بھی، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات ہو جاتی تھی۔

حضرت والد ماجدؒ کا معمول تھا، بلکہ وہ اس کے حریص رہتے تھے کہ جب بھی بن پڑتا وہ بزرگوں کو دارالعلوم (کورنگی) لاتے، ان کے پند و نصائح طلبہ اور اساتذہ کو سنواتے، اور دارالعلوم کے لئے دعا کرواتے۔ اس طرح برصغیر، ممالک عربیہ، اور افغانستان کے جو اکابر علماء و مشائخ تشریف لاتے، ان سے ہمیں بھی استفادہ کا موقع مل جاتا، ایسے متعدد مواقع میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بھی نیاز حاصل ہو جاتا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا ایک مکتوب حضرت والد صاحبؒ کے نام اسی زمانے کا ہے، جو والد صاحبؒ کی ایک کتاب میں رکھا ہوا ان کے انتقال کے بعد ملا تھا۔ تبرکاً یہاں نقل کرتا ہوں۔

مکتوب گرامی بنام حضرت والد صاحبؒ

معظم و محترم دام مجدکم دظلکم العالی
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

اس وقت ناچیز وارد حضرت مولانا اطہر علی صاحب[1] مدظلہ کی زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس قدر وسعت وقت میں نہیں کہ وہاں (کورنگی حاضر ہوتا) خصوصاً اس اطلاع کے بعد کہ وہاں (کورنگی میں) آج بخاری شریف کا ختم ہو رہا ہے۔ یہ ایک سعادت ہے جس سے محروم رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لئے ادباً عرض ہے کہ میرے لئے اور میرے متعلقین کے لئے بھی دعا ہائے خیر فرمادیں، اور جمیع دعاؤں میں شامل فرمالیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

اسوقت یہ بھی معلوم ہو کر اطمینان ہوا کہ جناب والا کا مزاج اب بہتر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ صحت و قوت کے ساتھ آپ کے فیوض و برکات کو جاری رکھیں۔

احقر محمد عبدالحی عفی عنہ۔

---

[1] مشرقی پاکستان کے مشہور ترین عالم دین، اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ان کی وفات اسی روز بنگلہ دیش میں ہوئی، جس روز حضرت والد ماجدؒ کا کراچی میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ رفیع۔

جب ہماری ضابطہ کی طالبعلمی کا دور آخری مراحل میں تھا تو حضرت ڈاکٹر صاحب عارفی ؒ کی رہائش "پاپوش نگر" میں، اور مطب پرانی جگہ "رابسن روڈ" پر تھا اس زمانے میں ان کا غالباً روز کا، یا ہفتہ میں ایک مقرر دن کا معمول یہ تھا کہ صبح کو گھر سے مطب جاتے ہوئے لسبیلہ چوک پر بس سے اتر جاتے، اور ہمارے گھر حضرت والد صاحب ؒ کے پاس چند منٹ کے لئے تشریف لاتے، وہ بھی منتظر ہوتے تھے، دونوں مل کر باغ باغ ہو جاتے، باتیں تو اب یاد نہیں رہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ بڑی پر لطف باتیں ہوتی تھیں، جن میں حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ اور انکے حکیمانہ ملفوظات کا ذکر بار بار آتا۔ بات بات پر بڑے نفیس شعر ایک دوسرے کو سناتے۔ آنے کا وقت بھی مقرر تھا واپسی کا بھی، چند منٹ بعد حضرت عارفی ؒ جیب سے گھڑی نکال کر دیکھتے، اور رخصت ہو جاتے۔ نہ ادھر سے جلد واپسی پر معذرت، نہ ادھر سے مزید بیٹھنے پر اصرار۔

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اے عمر رفتہ دل وہی
مے وہی، مینا وہی، ساقی وہی محفل وہی

حضرت عارفی ؒ

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد ہم دونوں بھائی دارالعلوم کے درجہ "تخصص فی الافتاء" میں داخل ہو گئے، ابتدائی کتابوں کی تدریس بھی ہمیں سونپ دی گئی، ان دونوں کاموں میں انہماک اس قدر رہنے لگا کہ رات کے دو تین بجے تک سر اٹھانے کی فرصت نہ ملتی۔ اب ہمارے والدین ؒ نے بھی دارالعلوم کی انتظامی ضرورت سے، اور ہم دونوں بھائیوں کی سہولت کے لئے دارالعلوم کورنگی میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ کورنگی ٹاؤن، اور لانڈھی

کالونی کے آباد ہو جانے سے یہاں دیہاتی ماحول کی جگہ قصباتی ماحول نے لے لی تھی' شہری سہولتیں بھی رفتہ رفتہ حاصل ہوتی جارہی تھیں۔

تخصص فی الافتاء اور درس طریقت

درجہ "تخصص فی الافتاء" میں ہم طلبہ کی تعلیم و تربیت کا کام حضرت والد ماجدؒ نے بہ نفس نفیس اپنے پاس رکھا تھا' جس میں فتوی کی تربیت کے ساتھ باطنی تربیت اور تزکیہ نفس کا درس بھی عملاً جاری رہتا' وہ ہر مناسب موقع پر اصلاح باطن' تزکیہ اخلاق' شریعت و طریقت کے باہمی ربط و تلازم' ضرورت مرشد' اور بیعت و سلوک کی اہمیت پر نہایت دلکش انداز میں توجہ دلاتے۔

عقلی اور علمی طور پر تو اگرچہ طالبعلمی کے ابتدائی دور ہی سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ اصلاح باطن اور تزکیہ اخلاق کے بغیر علم و عمل دونوں بے جان رہتے ہیں۔ اور جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بغیر دین ناقص ہے تزکیہ باطن کے بغیر بھی ناقص رہتا ہے۔ اور یہ کہ جب تک اصلاح باطن کے لئے خود کو کسی مرشد و مربی کے حوالے نہ کردیا جائے مقصود حاصل نہیں ہوتا لیکن یہ سب باتیں صرف عقل اور علم کی حد تک تھیں' دل میں نہ اتری تھیں' پانی کی ضرورت تو دلائل سے معلوم ہو گئی تھی' پیاس پیدا نہ ہوئی تھی' یہ پیاس "تخصص فی الافتاء" کے زمانے ہی میں پیدا ہونی شروع ہوئی۔

دل کی دنیا؟

دل میں یہ خلش اکثر رہنے لگی کہ ہم نے ابھی علم دین کا ادھورا نصاب

پڑھا ہے، ایک بڑا اہم حصہ باقی ہے۔ صرف تعلیم حاصل کی ہے۔ تربیت باقی ہے۔ فقہ ظاہر پڑھا ہے فقہ باطن کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ ظاہری اعضاء ہاتھ پاؤں، زبان کان، وغیرہ کے اعمال اور ان کے شرعی احکام تو پڑھ لئے مگر "دل کی دنیا" میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ دل کی اس چھوٹی سی دنیا میں جذبات و خواہشات کا جو تلاطم برپا ہے۔ شریعت کی نظر میں یہ کیا ہے؟ اس میں جو طرح طرح کی موجیں اٹھتی اور دبتی رہتی ہیں، ان میں سے ہر موج کے شرعی احکام کیا ہیں؟ اچھی موجوں کو ابھارنے، اور بری موجوں کو دبانے کے طریقے کیا ہیں؟ سینے میں دھڑکتے ہوئے اس دل پر قابو پانے اور اسے شریعت کے تابع کرنے کا نسخہ کیا ہے؟ اس پر شریعت کی حکمرانی قائم کرنے کا آسان راستہ کیا ہے؟ یہ اور اسی قسم کے بہت سے سوالات تھے، جن کے حل کے لئے کسی استاذ، اور رہبر و مرشد کی ضرورت تھی، گاہے گاہے تصوف کی کتابیں دیکھنے کی نوبت آنے لگی، بزرگوں کے واقعات و ملفوظات پڑھنے اور سننے میں مزا آنے لگا۔

مرشد کی تلاش

اب یہ سوال بار بار ابھرتا کہ کس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے؟ کس سے بیعت کروں؟ کبھی یہی سوال حضرت عارفیؒ کو بھی پیش آیا ہوگا، جبھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ۔

جوشِ جنونِ عشق میں جاؤں کدھر کو میں؟
حیرت سے دیکھتا ہوں ہر اک رہگزر کو میں

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس

اللہ سرہ کی تصانیف اور حضرت والد صاحبؒ کے بعض رسائل میں مرشد کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور انتخاب مرشد کے لئے جو ہدایات درج ہیں' احقر ان کو دیکھتا' پھر جن جن بزرگوں سے استفادہ ممکن تھا ان کا تصور کرتا' حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بہت سے خلفاء اس وقت بھی بحمد اللہ پاکستان میں موجود تھے' مثلاً حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (صاحب اعلاء السنن)' حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ' حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (بانی جامعہ خیر المدارس ملتان)' حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ' حضرت والد ماجدؒ' یہ حضرات تو بہت ہی مشہور تھے اور حضرت والد صاحب کی بدولت ان سب سے بار بار نیاز حاصل ہوا تھا' اور سب ہی بے پایاں شفقت فرماتے تھے' خصوصیت سے اس زمانے میں تو حضرت والد صاحبؒ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ جب بھی کسی بزرگ کے یہاں تشریف لے جاتے' یا وہ بزرگ دار العلوم تشریف لاتے تو ہم دونوں بھائیوں کو ضرور اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

طبعی مناسبت

انتخاب مرشد کے لئے دیگر شرائط کے علاوہ ایک اہم شرط یہ ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اس سے صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ طبعی مناسبت بھی ہو۔ عقیدت بحمد اللہ سب بزرگوں سے تھی مگر طبعی مناسبت؟ یہ سب سے زیادہ حضرت والد ماجدؒ سے محسوس کرتا تھا۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باقی بزرگوں کی خدمت میں اپنی اصلاح کی تڑپ لے کر حاضر ہونے' اور ان کی صحبت سے استفادے کی نوبت ہی بہت کم آئی تھی۔ حضرت والد ماجدؒ

کسی بزرگ سے بیعت ہونے کی ترغیب دیتے، احقر خاموش ہو جاتا، یہ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی کہ "سب سے زیادہ عقیدت و مناسبت تو آپ سے ہے، آپ ہی بیعت فرمالیجئے" یہ ہمت اس وجہ سے بھی نہ ہوتی تھی کہ مجھے اپنے والد صاحبؒ عشق تھا، اور اپنی کم فہمی کے باعث مجھے ڈر تھا کہ باپ بیٹے کے تعلق میں جو بے ساختگی اب ہے، وہ باقی رہے گی، ایک قسم کا رسمی ادب بیچ میں حائل ہو جائے گا، اب جس طرح ہم ان سے ناز کرتے، اور وہ ناز اٹھاتے ہیں، اس کا مزا جاتا رہے گا، جو حال میرا تھا، وہی حال سب بھائیوں کا تھا کہ وہ بھی والد صاحبؒ ہی سے بیعت ہونا چاہتے تھے، مگر زبان سے کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، غرض احقر دارالعلوم میں باضابطہ مدرس ہو گیا، اور پھر شادی بھی ہو گئی، مگر یہ مسئلہ اب تک حل نہ ہوا تھا، حضرت عارفیؒ نے گویا میرا ہی حال بیان فرمایا ہے کہ

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگ صبح و شام
عمر فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

حضرت والد صاحبؒ سے درخواست

زندگی کے تیس سال یوں ہی گزرتے دیکھ کر بالآخر احقر نے ایک روز اپنی خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا "میری بجائے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے یا حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب سے بیعت ہو جاؤ، ماشاء اللہ یہ دونوں بزرگ کراچی میں ہیں، ان کی صحبت و تربیت میں بڑی تاثیر ہے، ان کی تربیت سے بہت سی زندگیوں میں خوشگوار دینی انقلاب آیا ہے، بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب

کراچی میں ان تینوں بزرگوں، حضرت پھولپوریؒ، حضرت والد صاحبؒ اور حضرت ڈاکٹر صاحب عارفیؒ کے فیوض آب و تاب سے جاری تھے، تینوں کی ہفتہ وار مجلسیں مرجع خلائق بنی ہوئی تھیں اور تینوں ہی کی مجالس میں گاہے گاہے حاضری کی سعادت بھی نصیب ہو جاتی تھی۔ لیکن دل کا جھکاؤ حضرت والد صاحبؒ کی ہی طرف تھا۔ اسی کشمکش میں کئی سال اور گزر گئے اور اس عرصہ میں ایک المناک حادثہ یہ ہو گیا کہ حضرت پھولپوریؒ انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت والد صاحبؒ کی مجلس

حضرت والد صاحبؒ کی ایک مجلس ارشاد ہر اتوار کو عصر سے مغرب تک ہوتی تھی یہ کئی سال لسبیلہ چوک کے پاس اشرف منزل میں اور اس کے بعد دارالعلوم کورنگی میں آخر حیات تک جاری رہی۔ اس مجلس میں دور دور سے، بلکہ دوسرے شہروں سے بھی لوگ جوق در جوق آتے، بڑی پر کیف مجلس ہوتی تھی، اس میں "دل کی دنیا" ہی موضوع گفتگو ہوتی، بزرگوں کے واقعات و ملفوظات، پر اثر اشعار، علمی باریکیوں کا دلنشین بیان، لطائف و ظرائف، احکام و حِکَم، موجودہ دور کے شبہات، اور ان کا حل، نفس و شیطان کی دقیق حیلہ سازیاں اور ان کا علاج، سب ہی کا اثر انگیز بیان ہوتا جو دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا تھا کتنی ہی زندگیوں میں اس مجلس میں خوشگوار انقلاب آچکا تھا، بہت سے حضرات اور خواتین حضرت والد صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے بہت سے بیعت تھے، اور کئی حضرات خلیفہ مجاز تھے، یہ سب حضرات والد صاحبؒ سے اصلاحی خط و کتابت بھی جاری رکھتے تھے۔ میرا بھی بار بار

دل چاہتا کہ اس سلسلہ میں باقاعدہ داخل ہو جاؤں، وقفہ وقفہ سے کئی بار عرض بھی کیا، مگر اب والد صاحبؒ ہر مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی کا نام لیتے، اور ان کے انداز تربیت کی بہت تعریف فرماتے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس

اس پورے عرصہ میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھنے والوں اور مریدین کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ بہت سے لوگوں کو میں جانتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے تعلق قائم ہو جانے کے بعد، دیکھتے ہی دیکھتے ان کی زندگیاں بدل گئیں، پاکیزگی اور عجیب قسم کا سرور و اطمینان، ان کی زندگی میں نظر آنے لگا۔ حضرتؒ کا مطب رابسن روڈ سے پاپوش نگر میں منتقل ہو گیا تھا، اسی سے ملحق ایک صحن سا تھا جس میں ہفتہ وار مجلس عصر سے مغرب تک ہوتی تھی۔ یہ "مجلس" حاضرین کی کثرت کے باعث اب "جلسہ" کی سی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی، لوگ دور دور سے بلکہ دوسرے شہروں سے بھی اس میں شرکت کے لئے آتے، میرے بچپن کے مخلص دوست جناب "نجیب الحق صدیقی" بھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے، اور حضرتؒ کی مجلس میں اہتمام سے شریک ہوتے تھے، انکی زبانی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے بہت سے حالات، اور بڑے حکیمانہ اور اثر انگیز ملفوظات سننے میں آتے رہتے تھے۔

چشم مست ناز ساقی کے پرستاروں سے پوچھ
تشنگی ہوتی ہے کیسی، بیکلی ہوتی ہے کیا؟

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے عقیدت

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھنے والے جن حضرات سے بھی احقر کی ملاقات ہوئی۔ وہ سب کے سب حضرتؒ کی محبت سے سرشار تھے، اس کا راز بھی حضرت عارفیؒ ہی بیان فرما گئے ہیں کہ۔

دیکھتا ہے جو ہمیں سرشار ہو جاتا ہے وہ
اس طرح کچھ پی کے اٹھے ہیں تری محفل سے ہم

حضرتؒ کے جو ملفوظات سننے میں آئے، وہ بھی بڑے کیف آور، امید افزا، اور ہمت پیدا کرنے والے ہوتے تھے۔ بحمد اللہ یہ احقر کی خوش نصیبی ہے کہ دل میں حضرت کی عقیدت بڑھتی جا رہی تھی۔

دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات

اس زمانے میں والد ماجد، اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی باہمی ملاقاتیں اور بھی زیادہ ہونے لگیں، شاید اس میں والد ماجدؒ کی اس ارادی کوشش کو بھی دخل تھا کہ وہ ہم سب بھائیوں کو حضرت ڈاکٹر صاحب سے مانوس کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اب حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ بھی ان دلچسپ ملاقاتوں میں اکثر موجود ہوتے تھے۔ حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ حکیم الامت کی طرف سے مجاز صحبت تھے۔ صاحب کشف و کرامات، اور نہایت خوش مزاج و خوش مذاق بزرگ تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے انکی بے تکلفانہ دوستی اور محبت تھی۔ جب یہ تینوں بزرگ جمع ہو جاتے تو عجیب پر کیف سماں ہوتا تھا۔ لطیفے بے تکلفانہ، حکیمانہ اور ادیبانہ چٹکلے، روایات و حکایات، عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے اشعار، احکام و مسائل، رموز شریعت و طریقت، اور خاص

طور پر حکیم الامت کے واقعات و ملفوظات ان ملاقاتوں کی جان ہوتی تھی۔

تینوں بزرگ شعر و ادب کا نہایت حساس اور اعلیٰ ذوق رکھتے" اور بلند پایہ شعر کہتے تھے یہ اشعار کیا تھے؟ عشق و محبت' سوز و گداز' حکمت و معرفت' فصاحت و بلاغت' گہرے مشاہدے' نزاکت احساس' اور نفاست ذوق کا شاہکار ہوتے تھے' خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب" جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے عاشق زار' اور برصغیر کے مشہور شاعر تھے' بلکہ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ "فطری شاعر" تھے اور حکیم الامت حضرت تھانوی کے قدیم خلفاء میں ممتاز مقام رکھتے تھے' بحمداللہ احقر نے بھی بچپن میں ان کی زیارت کی تھی' افسوس کہ ۱۹۴۴ء میں وفات فرماگئے' انکے والہانہ اشعار ان تینوں بزرگوں کی ملاقاتوں میں بار بار سننے میں آئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تینوں خانقاہ تھانہ بھون کی وجد آور فضا میں گم ہوگئے ہیں' حضرت عارفی" فرماتے ہیں۔

اب یہ ہے مری بے خودی شوق کا عالم
ہوں ہوش میں اس طرح کچھ ہوش نہیں ہے

یہ مجلسیں اتنی اثر انگیز اور سرور بخش ہوتیں کہ مجھ جیسا کور ذوق بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ کرتا یہ قول حضرت عارفی" ہے

تھی بہت ان کی محفل ناز
آہ اے بے خودی کہاں تھے ہم

حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء کا مشترک مزاج

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تمام خلفاء میں اتباع سنت و شریعت'

صفائی معاملات، حقوق العباد، آداب المعاشرت، نظم اوقات، اور ہر کام میں سلیقہ و انتظام کا اہتمام تو خاص طور سے مشہور و معروف ہے، احقر کو جن اکابر خلفاء کی زیارت نصیب ہوئی ان سب میں ایک خاص وصف یہ بھی نظر آیا کہ یہ سب حضرات ایک دوسرے کے معتقد ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے پر فریفتہ تھے، ہر ایک یہ محسوس کرتا تھا کہ اپنے شیخ کے مزاج و مذاق کو اپنانے اور ان سے کسب فیض میں سب خلفاء مجھ سے بہت آگے نکل گئے ہیں میں ہی سب سے پیچھے رہ گیا ہوں۔ جب بھی ایک دوسرے سے ملتے، یوں لگتا کہ پیاسے کے سامنے کنواں آگیا ہے۔ خود حضرت عارفیؒ فرماتے ہیں کہ

کیوں دل کو غم عشق سے سیرابی نہیں ہوتی
یہ بات خود اک راز نہاں میرے لئے ہے

یہ سب کنویں پیاسے نظر آتے، مگر ان کے پاس جو ایک بار آگیا، سیراب ہوئے بغیر نہ لوٹا، وہ سیرابی یہی تھی کہ اس میں بھی پیاس پیدا ہوجاتی تھی، جوں جوں استفادہ بڑھتا، پیاس بھڑکتی جاتی تھی۔ یہ شعر بھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی سے بار بار سنا کہ۔

آب کم جو، تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

ان حضرات کے سامنے جب کوئی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے کسی واقعہ یا ملفوظ کا ذکر کرتا تو اس کو اتنی توجہ اور ذوق و طلب کے ساتھ سنتے کہ گویا پہلے یہ بات معلوم ہی نہ تھی۔ حضرت عارفیؒ نے خود اپنا یہ حال بیان فرمایا ہے کہ

شراب بے خودی شوق بھی کیا جانے کیا شے ہے
برابر پی رہا ہوں، اور ذرا تسکین نہیں ہوتی

حضرت والد صاحبؒ رسمی تقریبات میں شرعی تقاضے کے بغیر شریک نہ ہوتے تھے لیکن جس تقریب میں گمان ہوتا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لائیں گے، اس میں خود بھی اہتمام سے شریک ہوتے، ہمیں بھی ساتھ لے جاتے، اور جیسے ہی دونوں کی نظریں ملتیں، دونوں کے چہرے کھل اٹھتے، اور پرتپاک سلام و مصافحہ کے بعد حضرت والد صاحبؒ فرماتے "بھئی ہم تو ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی نیت سے آئے ہیں" کبھی فرماتے "ہم تو اپنے ڈاکٹر صاحب کی نیت سے آئے ہیں" ادھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا انداز ملاقات یہ ہوتا کہ گویا اپنے دوست سے مل رہے ہیں جو استاذ بھی ہے، اور شیخ و مرشد بھی۔ تعظیم و محبت اور بے تکلفی کا ایسا حسین امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

حضرت عارفیؒ کو اپنے شیخ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات غیر معمولی طور پر بہت زیادہ یاد تھے، اس لئے والد صاحبؒ تقریباً ہر ملاقات میں ان سے اپنے شیخ کے کسی نہ کسی ملفوظ کا اعادہ کرنے کی فرمائش کرتے، اور جب حضرت عارفیؒ سناتے تو دونوں ہی گویا وجد میں آجاتے۔

گاہے گاہے یہ دونوں بزرگ اور حضرت بابا صاحبؒ ایک دوسرے کی دعوت بھی فرماتے تھے جس میں ہمیں بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ ان کی پدرانہ شفقتوں اور الطاف بے پایاں کی بدولت اب ایسی ملاقاتوں کا انتظار سا رہنے لگا تھا۔ میرا حال تو بہ قول حضرت عارفیؒ یہ تھا کہ۔

اب ہوں کسی کے جذب کرم ہی کا منتظر
میری طلب تو ہے، مری تاب و تواں سے دور

یہ "اسی جذب کرم" کا فیض تھا کہ دل حضرت والاؒ کی طرف کھنچنے لگا تھا بہ قول حضرت عارفیؒ ـ

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں، اٹھائے جاتے ہیں

بیعت سلوک کے متعلق طرح طرح کے توہمات

ابتداً جب احقر نے بیعت سلوک کے متعلق سوچنا شروع کیا تھا، تو نہ جانے کیوں ایسا لگتا تھا کہ بیعت ہوتے ہی زندگی کی ساری دلچسپیاں قربان کرنی ہوں گی، زندگی کا لطف جاتا رہے گا، ایک خشک سی سنجیدگی دل پر چھا جائے گی، دوستوں سے ملنے کا مزا رہے گا نہ تفریحات کا، علمی مشاغل کی جگہ اوراد و وظائف لے لیں گے، تحقیق اور علمی و ملّی خدمات کا جذبہ جو اب تک محور زندگی بنا رہا، چلہ کشی، اور گوشہ نشینی میں گم ہو جائے گا، مراقبہ اور صبر آزما مجاہدے ہوں گے، بات بات پر مرشد کی روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ ہوگی، زندگی ایسی مقید ہو جائے گی کہ لطیف احساسات و جذبات گھٹ گھٹ کر افسردہ ہو جائیں گے، ثواب تو بہت ملے گا، مگر دوست کیا کہیں گے، رشتہ دار باتیں بنائیں گے، بیوی بچے کیا سوچیں گے؟ وغیرہ وغیرہ، نہ جانے کتنے اندیشے اور وسوسے تھے جو بیعت سلوک سے ڈراتے تھے، لیکن بحمد اللہ یہ بات لڑکپن سے دل میں راسخ تھی کہ تزکیہ باطن فرض عین ہے اور اس کے بغیر دین

ناقص، اور علم دین بے جان ہے اس لیئے بیعت ہونے کا ارادہ بھی اسی طرح ڈرتے ڈرتے کرلیا تھا، جس طرح سخت گرمی کے رمضان کا چاند دیکھ کر روزوں کی نیت کرنی پڑتی ہے مگر پیش قدمی میں کم ہمتی پھر بھی سدراہ بنی رہی۔

توہمات کا ازالہ

یہ اندیشے اور وسوسے ضرور تھے، مگر حضرت والد ماجدؒ کی پوری زندگی سامنے تھی، جو ان تمام اندیشوں اور وسوسوں کی نفی کرتی تھی، ان کی زندگی کا ہر پہلو قابل رشک، اور توازن و اعتدال کا حسین نمونہ تھا، بیعت و سلوک نہ انکی علمی تحقیقات میں حائل ہوئے، نہ تنظیم ملکی و ملی خدمات میں، بلکہ اس نے تو ان کی زندگی کے ہر پہلو کو چار چاند لگا دیئے تھے، ان کی زندگی میں دین و دنیا کی تفریق ہی نظر نہ آئی کہ ترک دل کا سوال پیدا ہو، کہیں افسردگی نظر آئی نہ خشک سنجیدگی، ان کی گھریلو زندگی باغ و بہار تھی، بیوی بچوں کے ساتھ محبت و شفقت، ہنسی دل لگی، اور حکیمانہ تربیت، اور رشتہ داروں کے ساتھ دلداری، خوش طبعی، خیر خواہی، اور ایثار، دوستوں کے ساتھ گرمجوشی، پر لطف مجلسیں، اور دلکش و متوازن بے تکلفی، لیکن یہ بات تھی کہ ان کی کوئی ملاقات، اور مجلس اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے خالی نہ رہتی تھی۔ علمی تحقیقات کا ذوق و شوق، تصنیف و تالیف، تدریس و تبلیغ، ملکی و ملی مسائل سے گہری دلچسپی اور اخلاق و حکمت کے ساتھ ان میں ایک حد تک عملی حصہ، اور اوراد و وظائف، مراقبے اور مجاہدے، سوز و گداز، سب ہی کچھ تھا، مگر ہر چیز ایک حد میں اور سنت کے دلکش سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، شاگردوں، اور مریدوں کے ساتھ نہایت درجہ شفقت کے ساتھ ہر ایک پر انفرادی نظر، اس

کی افتادِ طبع اور خصوصی حالات کی ہر قدم پر رعایت۔ زندگی کا یہ حسین نمونہ میرے سب اوہام وساوس کو مٹاتا چلا گیا۔

ان کی بزم ناز ہی میں اس کو سمجھا تھا کبھی
زندگی کہتے ہیں کس کو؟ زندگی ہوتی ہے کیا

پھر جوں جوں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے قرب بڑھا زندگی کا یہ دلکش نمونہ وہاں بھی اسی آب و تاب سے نظر آیا، حضرت کا انداز لطف و کرم ہی ایسا تھا کہ دل کھنچا چلا جائے ان کے شیخ کی کشش نے بھی کسی وقت ان کو اپنی طرف کھینچا تھا، فرماتے ہیں۔

پھر یہ کیا ہے گر نہیں ان کی محبت کی کشش
خود بخود انکی طرف یہ کیوں کھنچا جاتا ہوں میں

یہی حال حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دوسرے اکابر یا خلفائے کرام میں نظر آیا، غرض وہ سب اوہام و وساوس تو ختم ہو گئے، لیکن دل پھر بھی حضرت والد صاحبؒ سے بیعت ہونے کی طرف زیادہ راغب تھا۔

اگست ۱۹۶۶ء کے اواخر میں حضرت والد صاحبؒ نے جنوبی افریقہ کے دیرینہ دوستوں کی دعوت پر وہاں کا سفر فرمایا، احقر کی خوش قسمتی سے اس ناکارہ کو بھی ساتھ لے لیا، واپسی میں عدن، اور اس کے بعد حرمین شریفین کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔ سن شعور میں پورے دو ماہ کا یہ سب سے طویل سفر تھا جو حضرت والد ماجدؒ کی ہمرکابی میں نصیب ہوا۔ جنوبی افریقہ معمورہ زمین کے انتہائے جنوب میں واقع ہے، اس لئے وہاں اس زمانے میں سخت سردی تھی راتیں خوب لمبی ہوتی تھیں، رات کو خلوت میں ایسی بہت سی باتیں کرنے کا

موقع مل جاتا تھا جن کے لئے کراچی میں مہینوں انتظار کرنا پڑتا ایک رات احقر نے پھر بیعت کی درخواست کی۔

حضرت والد صاحبؒ کا ارشاد

اس مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ۔

”اصلاح باطن فرض عین ہے، لہٰذا اس میں تو تاخیر جائز ہی نہیں، جو مصلح بھی مل جائے اس کے زیر ہدایت کام شروع کرنا چاہیے، میں تم کو کچھ معمولات بتاتا ہوں، آج ہی سے ان پر عمل شروع کردو، رہا بیعت کا معاملہ، تو ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بیٹے نے باپ سے بیعت کی، اور وہ کامیابی حاصل ہوگئی لیکن یہ ایک حد تک مشکل ہے، کیونکہ باپ بیٹے کا تعلق بے تکلفی کا ہوتا ہے، اور اس طریق میں مرید و مرشد کے درمیان بے تکلفی ابتداءً مضر ہوتی ہے، جس پر قابو رکھنا شاید میرے لئے بھی مشکل ہو، اور تمہارے لئے بھی۔ اس لئے میرا مشورہ تم بھائیوں کے حق میں یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ سے بیعت ہوجاؤ وہ اس ناکارہ سے تعلق کے باعث تم پر خصوصی توجہ فرمائیں گے، اور انشاء اللہ تم کو ان سے بہت نفع ہوگا۔

یہ ضرور ہے کہ وہ ضابطہ کے ”اصطلاحی عالم“ نہیں، مگر ”عالم گر“ ہیں، جو علوم ان کے پاس ہیں، ظاہر ہیں

> خشک علماء کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی، بلکہ ضابطے کے فارغ التحصیل علماء کو ایسے مصلح سے بیعت ہونے میں ایک مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ علم کا جو "خناس" بہت سے ظاہر بین علماء کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایسے مرشد کی خدمت و تربیت میں جلدی دور ہوتا ہے۔ بزرگ اٹھتے جا رہے ہیں، اب مزید تاخیر مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ یہ موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔"

اس کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے کچھ معمولات تلقین فرمائے جن پر بحمداللہ اسی روز سے عمل کی توفیق ہوئی، یہ پہلا موقع تھا کہ اس موضوع پر انہوں نے اتنی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ بحمداللہ اسی وقت دل مطمئن ہو گیا بلکہ حضرت عارفیؒ سے بیعت کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اب یوں لگتا ہے جیسے حضرت عارفیؒ اسی ناکارہ سے فرما رہے ہوں کہ:

بڑی غفلت میں گزری عارفی عمر عزیز اب تک
کہیں ایسا نہ ہو، یہ وقت بھی یوں ہی گزر جائے

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت

مگر سستی اور کم ہمتی دیکھئے کہ اس سفر سے واپس آنے کے بھی تقریباً تین سال بعد، یعنی ۱۹۶۹ء کے اواخر یا ۱۹۷۰ء کے اوائل میں بیعت کی نوبت آئی۔ غرض ایک روز حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ احقر، اور برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مطب میں حاضر ہوئے، یہ مطب وہ دکان معرفت تھی جہاں سے نہ جانے کتنے جاں بلب جسمانی

ر روحانی مریضوں نے شفا پائی تھی' اور کتنے تباہ حالوں کو آب حیات ملا تھا۔

جا رہا ہوں دیر سے گھبرا کے سوئے میکدہ
بعد مدت راز ہوش و بے خودی سمجھا ہوں میں

حضرت عارفیؒ[1]

حضرت والد صاحبؒ نے ہم دونوں کا مختصر حال اور مقصد بیان فرمایا' حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے توقع کے عین مطابق نہایت بشاشت کے ساتھ منظوری عطا فرمادی' والد صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کے اس ارشاد کے بعد میں اس معاملہ میں تواضع سے کام نہ لوں گا' اور جو خدمت بن پڑے گی اس سے دریغ نہ کروں گا۔ پھر ہم دونوں سے بڑی شفقت سے فرمایا "کل آپ دونوں تنہا آجائیں" شاید وہ ہماری ذاتی طلب کا بھی اندازہ فرمانا چاہتے تھے۔

اگلے دن ہم دونوں' عصر کے بعد پہنچے' مجلس کا دن تھا' پاپوش نگر میں مطب کے برابر اندر کی طرف جو صحن سا ہے' وہاں حسب معمول مجلس ہو رہی تھی' مجلس کے اختتام پر ملاقات ہوئی' حضرتؒ نے بہت مسرت کا اظہار فرمایا' اور نماز مغرب کے بعد ہمیں اپنے ساتھ مطب میں لے گئے' جہاں تک یاد پڑتا ہے اس وقت مطب میں کوئی اور نہ تھا۔

طریقت کے چار سلسلے

حضرت والا نے مختصراً بیعت کی حقیقت بیان فرمائی' اور طریقت کے چار سلسلوں "چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ اور قادریہ" کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ:

---

[1] مفہوم یاد رہ گیا ہے' بہت سے الفاظ بھی حضرتؒ کے ہیں۔ رفیع۔

"جس طرح جسمانی صحت حاصل کرنے کے لئے علاج کے مختلف طریقے طب یونانی، ایلوپیتھک، ہومیو پیتھک اور ویدک وغیرہ ہیں، کہ مقصد سب کا ایک اور طریقے مختلف ہیں، اسی طرح باطنی اخلاق و اعمال کے علاج کے لئے طریقت کے یہ چار سلسلے ہیں، ان چاروں کا مقصد بھی ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارے باطنی اخلاق شریعت اور سنت کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی تعلق پیدا ہو جائے، شریعت و سنت کی پیروی آسان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے۔ البتہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں، جو "چار سلسلوں" کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ چار سلسلے ایسے ہی ہیں، جیسے فقہ میں چار مشہور مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی ہیں کہ ان کا ماخذ قرآن و سنت ہیں، اور مقصد شریعت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا ہے، صرف استنباط احکام کے طریقوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔

ہمارے شیخ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے ان چاروں سلسلوں میں سلوک طے فرما کر چاروں کو حالات زمانہ کے پیش نظر یک جا کر کے بہت آسان فرما دیا تھا، چنانچہ وہ اپنے مریدین کو بیک وقت چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے شیخ و

مرشد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یہی معمول تھا۔

یہ فرما کر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ عارفی قدس اللہ سرہ نے ہم دونوں بھائیوں کو بھی ان چاروں سلسلوں میں بیعت فرمالیا۔ وللہ الحمد حمداً کثیراً

بیعت کا فائدہ

اس موقع پر بیعت کا ایک فائدہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح مستند محدث وہی سمجھا جاتا ہے جس نے حدیث کسی مستند استاذ سے باقاعدہ پڑھی ہو، اور استاذ نے اس کو روایت حدیث کی اجازت دی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ہم تک اسی طرح پہنچی ہیں۔ جب استاذ اپنے شاگرد کو کوئی حدیث سناتا ہے تو وہ اس کی سند بھی بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں استاذ سے اور اس استاذ نے فلاں سے اور اس نے فلاں سے حاصل کی ہے، یہاں تک سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے، اور وہ حدیث بھی قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے، اور روایت کرنے والا شاگرد بھی، پھر وہ شاگرد خود بھی اس حدیث کی سند کے سلسلہ کی ایک کڑی بن جاتا ہے جو ایک بڑی سعادت ہے، روایت حدیث میں اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب باقاعدہ متصل اور مستند ہوگیا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے ائمہ حدیث اپنی سند کو متصل اور عالی کرنے کے لئے لمبے لمبے سفر اسی لئے کرتے تھے۔

اسی طرح یہ بیعت کا سلسلہ ہے کہ یہ بھی سلسلہ کے تمام بزرگوں سے

ہوتا ہوا، ہمارے سب سے بڑے محسن و مرشد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
تک پہنچتا ہے۔ اس بیعت کے ذریعہ ہم بھی اس سلسلہ میں داخل ہوجاتے
ہیں، جس سے ہمارا تعلق ان تمام بزرگان سلسلہ سے حتی کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ قائم ہوجاتا ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی اور بزرگان سلسلہ کی برکات نصیب ہوتی ہیں اور سلوک کے تمام
مراحل میں سہولت اور نورانیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور مقصود تھوڑی سی
محنت و توجہ سے بآسانی حاصل ہوجاتا ہے۔

حضرت والا نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح ہمارے سامنے
کے اس بلب سے بجلی کے پاور ہاؤس تک کھمبوں کا ایک باقاعدہ طویل سلسلہ
ہے جو تاروں کے ذریعہ باہم مربوط اور منسلک ہیں، پاور ہاؤس کی بجلی اس بلب
تک انہی تاروں اور کھمبوں کے ذریعہ پہنچ رہی ہے، اسی طرح آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم جو تمام معارف اور برکات و فیوض کا منبع و مخزن ہیں، انکا فیض
ہم تک ان بزرگان سلسلہ کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ طریقت کے سلسلہ میں باقاعدہ
داخل ہوجانے (بیعت ہوجانے) سے بزرگان سلسلہ کے ساتھ جو نسبت
حاصل ہوتی ہے، وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات
کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے، بشرطیکہ طلب صادق ہو، اور مرید اپنے طبیب
روحانی (مرشد) کو اپنے مختلف باطنی کیفیات کی اطلاع کرتا رہے، اور مرشد کی
ہدایات پر اہتمام سے عمل کیا جائے۔

اس کے بعد حضرت والاؒ نے کچھ تسبیحات و اذکار کی تلقین فرمائی کہ
روزانہ وقت مقررہ پر پابندی سے پڑھ لیا کریں اور فرمایا کہ "اب آپ کا
سب سے پہلا کام یہی ہے کہ اپنے روزمرہ کے تمام کاموں کا ایک منظم نظام

الاوقات مرتب کرکے ہمت سے اس کی پابندی کی جائے۔ نظم اوقات کے بغیر نہ دنیا کے کام درست ہوتے ہیں نہ دین کے، ہر وقت پریشان حالی الگ رہتی ہے، نظم اوقات کی پابندی سے سب کاموں میں سہولت اور برکت ہوتی ہے" پھر فرمایا کہ "جب موقع ملا کرے بے تکلف آجایا کریں، آپ کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں۔"

بیعت فرمانے کے بعد حضرت والاؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو چشم تصور میں مجھے دور تک بزرگان سلسلہ کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی ایک قطار سی نظر آنے لگی جس سے دل کو بڑی تقویت محسوس ہوئی۔ بہ قول حضرت عارفیؒ

اپنے دل کی جلوہ گاہ حسن تھی پیش نظر
کیا بتاؤں بے خودی میں کیا نظر آیا مجھے

جب حضرت والاؒ سے رخصت ہوکر ہم گھر واپس آ رہے تھے، تو قلب و دماغ کا سارا بوجھ اتر چکا تھا۔ دین پہلے سے زیادہ آسان اور پرکشش نظر آنے لگا، اور سلوک و تصوف کے مشکل ہونے کا جو تصور نہ جانے کب سے لاشعور میں بیٹھ گیا تھا، وہم اور وسوسے سے زیادہ اس کی وقعت نہ رہی۔

احقر جو اوراد و وظائف پہلے سے پڑھا کرتا تھا حضرتؒ نے ان سے بھی کم معمولات کی تلقین فرمائی لیکن جب ان پر عمل شروع کیا تو انکی لذت و حلاوت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی اور جب ناغہ ہوجاتا تو دل کھویا کھویا سا رہتا، ایک قسم کی ہول پورے دن مسلط رہتی اور تمام کاموں میں بے برکتی محسوس ہوتی۔

اس زمانے میں حضرتؒ کی رہائش پاپوش نگر ہی میں مطب کے ساتھ تھی، اور ہماری رہائش کورنگی میں تقریباً اٹھارہ میل کا فاصلہ تھا، اور کم ہمتی اس پر مستزاد تھی تاہم کوشش یہ رہتی تھی کہ ہفتہ میں کم از کم ایک بار حاضری ہو جایا کرے مگر اس کی بھی پوری پابندی اس زمانے میں نہ ہو پاتی تھی، دار العلوم کی ہمہ وقتی مصروفیات کے علاوہ اس زمانے میں ہماری والدہ محترمہ مرحومہ سخت بیمار تھیں، حضرت والد ماجدؒ کی صحت بھی ٹھیک نہ رہتی تھی۔ ادھر کچھ عرصہ بعد احقر کو بھی کمر کی سخت تکلیف لاحق ہو گئی جس نے عرصہ تک صاحب فراش بنائے رکھا۔ یہ ہمارے پورے گھر کے لئے پریشانی کا زمانہ تھا۔

حضرتؒ کا ہومیو پیتھک علاج

اس طویل بیماری میں تقریباً آٹھ ماہ حضرتؒ کا ہومیو پیتھک علاج بھی ہوا۔ حضرت کی خدمت میں احقر نے اپنی دینی تربیت کے سلسلہ میں سب سے پہلا عریضہ اس بیماری کی ابتداء میں (۲۰ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ) کو لکھا تھا، چند روز میں جواب مل گیا، اس کے بعد آٹھ ماہ تک صرف جسمانی امراض اور انکا علاج ہی مراسلت کا موضوع بنا رہا، مجلس کی حاضری سے بھی اس زمانے میں محرومی رہی۔ ان تکالیف، پریشانیوں اور احساس محرومی کے ساتھ ساتھ حضرت والا کی خصوصی عنایات، دل کی تقویت کا بڑا سہارا تھیں۔ ایک بار اس ناکارہ غلام کی عیادت کے لئے حضرت والاؒ خود بھی کورنگی تشریف لائے۔ حضرت عارفیؒ کا یہ شعر اگر اس وقت بھی سامنے ہوتا تو دل کو کتنی تسلی مزید ہوتی۔

ہے قدم راہ طلب میں، گو وہ ناقص ہی سہی
کچھ تو حاصل کر رہے ہیں، سعی لاحاصل سے ہم

حضرت والاؒ کی عنایات

اس علاج کے ابتدائی ایام میں (۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ کو) احقر نے اپنا حال لکھ کر بھیجا تو اس میں یہ درخواست بھی پیش کی کہ :

> "دوا کا (تقالی) پیکٹ ارسال خدمت ہے، اس دوا کی قیمت ادا کرنا اس روز بھول گیا تھا، آج ارسال خدمت ہے، جو نئی دوا تجویز فرمائیں اس کی قیمت بھی مرسل ہے۔"

حضرت والاؒ نے نہایت شفقت سے جواب میں تحریر فرمایا :

> "قیمت کا خیال نہ کریں، میرے ذمہ بھی کچھ حقوق ہیں، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ کوئی خدمت کر سکوں، اس میں ہرگز کوئی تکلف نہیں ہے، آپ انشراح کے ساتھ معالجہ جاری رکھیں اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ یہ تکالیف رفع ہو جائیں گی۔"

اس کے بعد حضرت والا کی وفات تک بارہا اس ناچیز کو طویل اور شدید بیماریوں میں حضرت کا علاج مہینوں کرنا پڑا، احقر کی والدہ محترمہ، اور بیوی بچوں کا علاج بھی بکثرت ہوتا رہا، لیکن حضرت والاؒ نے کبھی دوا کی قیمت بھی لینا منظور نہ فرمایا، ایک دو بار احقر نے حضرت کے خادم (کمپوڈر) کو قیمت دینے کی کوشش کی تو انہوں نے صاف فرمادیا کہ حضرتؒ کی اجازت نہیں

ہے۔ اس کے بعد تو مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔

حضرتؒ کا گرامی نامہ

حضرت والد ماجدؒ اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے درمیان بھی گاہے گاہے خط و کتابت ہوتی تھی، حضرت والد صاحبؒ کی، اور ناچیز کی اس بیماری کے زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے انکو خط لکھا جس کا ابتدائی نصف حصہ یہ ہے:۔

مخدومی و محترمی مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

"جناب والا کی ناسازی طبع معلوم ہوکر، اور محمد رفیع صاحب سلمہ کی تکالیف معلوم ہوکر دل کو نہایت رنج و قلق ہے، دل سے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ جلد از جلد دونوں صاحبوں کو صحت و راحت عطا فرمادیں۔ محمد رفیع صاحب سلمہ کے لئے دوا تجویز کرکے بھیج رہا ہوں، خدا کرے نفع ہو پھر جلد حالات سے مطلع کیا جائے۔"

(احقر عبدالحی۔)

حضرت والد صاحبؒ کا مکتوب گرامی بنام حضرت عارفیؒ

حضرت والد صاحبؒ کے خطوط بنام حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اگر تلاش کئے جائیں تو بہت ہوں گے، اس وقت میرے سامنے صرف ایک گرامی نامہ ہے، احقر نے اپنی اسی علالت کے زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو ایک

عریضہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ (۲ر اگست ۱۹۷۰ء) کو لکھا تھا۔ والد صاحبؒ نے اس کی پشت پر اپنا یہ خط تحریر فرمادیا تھا، حسبِ معمول میرا وہ خط جب حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس سے مع جواب واپس آیا تو والد صاحبؒ کی یہ تحریر بھی میرے پاس محفوظ ہوگئی، تبرکاً نقل کرتا ہوں۔

مخدومی محترم ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اور دوا کو اثر دیا محمد رفیع سلمہ کی طبیعت اب سہولت پر آگئی بخار اتر گیا۔

یہ ناکارہ بھی اگرچہ بخار وغیرہ کی تکلیف سے اب عافیت میں ہے، مگر بواسیر کی سابقہ تکلیف نے اس بیماری میں زور پکڑنا شروع کیا، اس کا علاج سابق جاری ہے، ضعف و نقاہت بے حد ہے۔ کل بھائی[1] شبیر علی صاحبؒ کے صاحبزادہ شبیر علی کا نکاح تھا وہ بھی فیڈرل بی ایریا میں۔ طاقت ہمت کچھ نہ تھی مگر بھائی جان مرحوم کی تصویر سامنے آگئی، اس نے بے چین کرکے جانے پر مجبور کردیا، نکلنے کے بعد اپنے ضعف کا اندازہ ہوا کہ اس کا تحمل نہ تھا مگر اللہ نے فضل

---

[1] یعنی خانقاہ تھانہ بھون کے ناظم، اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے، حضرت مولانا شبیر علی جن کا اس وقت انتقال ہوچکا تھا، پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں مزار ہے۔ حضرت تھانویؒ کے دیگر خلفاء کی طرح والد ماجدؒ بھی ان کو "بھائی جان" کہتے تھے۔ رفیع۔

کیا اس میں شرکت ہو گئی، کچھ امید اس کی بھی تھی کہ شاید اس مجمع میں آپ کی بھی زیارت ہو جائے، مگر عذر ہو گا آج ولیمہ کی شرکت سے معذرت کر کے آگیا تھا"

والسلام، محمد شفیع۔ اتوار۔

حضرتؒ کا ایک اور مکتوب گرامی بنام والد ماجدؒ

اسی زمانے میں حضرت والاؒ نے ایک اور گرامی نامہ، والد ماجدؒ کے نام بھیجا، جو احقر کے پاس محفوظ رہ گیا ہے، تبرکاً اسے بھی نقل کرتا ہوں۔

"مخدومی و معظمی دامت برکاتکم مد ظلکم۔"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی ناسازی طبع کی اطلاع اجمالاً ہو چکی تھی۔ دعائے صحت و عافیت برابر جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں اور آپ کو قوت و صحت کے ساتھ ہم لوگوں کی صلاح و فلاح کی ہدایت کے لئے زندہ و سلامت رکھیں۔ آمین۔

میرا جی خود چاہتا ہے کہ کسی وقت حاضر خدمت ہو کر شرف و طمانیت قلب حاصل کروں لیکن مختلف معذورات میں چلا ہوں۔

محمد رفیع صاحب سلمہ کے حال کا پرچہ بغور مطالعہ کر کے دوا تجویز کر دی ہے انشاء اللہ تعالیٰ تکالیف رفع ہو جائیں گی۔

حالات برابر لکھتے رہیں اور دوا منگواتے رہیں۔

دعاء صحت کاملہ بھی کرتا رہتا ہوں۔

احقر محمد عبدالحی عفی عنہ

مرشد مشفق

غرض حضرت والاؒ کی شفقتیں بڑھتی ہی چلی گئیں، شروع میں جب ہم خدمت میں حاضر ہوتے تو دو زانو بیٹھے رہتے، کمر کی تکلیف کے باعث احقر کے لئے سخت دشوار تھا۔ ادھر اُدھر دیکھنے سے ڈر لگتا تھا، کہیں بے ادبی نہ ہو، کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، حضرت والاؒ کے ارشادات سنتے رہتے۔ ڈر رہتا تھا کہ کوئی بات خلاف ادب نہ ہو جائے نو وارد تھے، حضرتؒ کے لطف و کرم کا پورا اندازہ نہ تھا۔

اے وفور شوق، ان محرومیوں کا کیا علاج
ہے تو منزل پاس، لیکن دور ہیں منزل سے ہم

(حضرت عارفیؒ)

محترم دوست جناب کیپٹن سراج صاحب، جو برسوں سے حضرت کے ساتھ والہانہ خادمانہ تعلق رکھتے، اور حضرت کے مزاج شناس تھے ایک دن جب ہم حضرتؒ کے یہاں حاضر تھے تنہائی میں فرمانے لگے "آپ، حضرت کے پاس اطمینان سے کھلکر بیٹھا کریں، کھلکر بات کیا کریں، ہم تو حضرت کے پاس ہنستے بولتے بھی ہیں، اور اس طرح رہتے ہیں گویا اپنے والد کے پاس ہوں، حضرت والاؒ ان باتوں سے مسرور ہوتے ہیں" بلا شبہ انہوں نے تجربہ کی بات

ارشاد فرمائی تھی اکی زبان حال قابل رشک انداز میں وہ بات کہہ رہی تھی، جو کبھی حضرت عارفی ؒ نے فرمائی تھی کہ۔

میں نے ساری عمر کی ہے، خدمت پیر مغاں
مجھ سے پوچھو میکدے کی زندگی ہوتی ہے کیا

کیپٹن صاحب جیسے اہل محبت کو دیکھ کر بحمد اللہ احقر کی طبیعت بھی کھلتی چلی گئی، اور حجابات اٹھتے چلے گئے لیکن اس سابق حالت کا کیف بھی ناقابل فراموش ہے۔ کبھی حضرت عارفی ؒ کو بھی وہ کیفیت پیش آئی تھی، جب ہی تو یہ فرمایا ہے کہ۔

کس طرح کہیں، کب کہیں اور کیا کہیں ان سے
اس کشمکش شوق کا اب تک ہے مزا یاد

احقر کی صحت جب ذرا بہتر ہوئی تو جمعہ کی مجلس میں حاضری بحمد اللہ پھر شروع ہو گئی، لیکن اسی زمانے میں حضرت کی آنکھوں کے دو آپریشن ہوئے، جن میں حضرت کو کافی عرصہ سخت تکلیف اٹھانی پڑی، اس زمانے میں آنکھوں کے آپریشن اتنے آسان نہ تھے، جتنے اب ہو گئے ہیں مجلس کچھ عرصہ موقوف رہنے کے بعد دوبارہ شروع ہوئی تو خدام کی جان میں جان آئی۔

کارفرما ہے ابھی تک جذبۂ پیر مغاں
مستی رنداں وہی ہے، گرمی محفل وہی
(حضرت عارفی ؒ)

لیکن یہ ناکارہ اپنے امراض و عوارض، اور دارالعلوم کے مشاغل کے

باعث کم ہی حاضر ہو پاتا تھا، جس سے ندامت کے ساتھ یہ بھی خوف رہتا تھا کہ کہیں حضرت ناراض نہ ہو جائیں ڈرتے ڈرتے ایک عریضہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا، جواب میں یقین تھا کہ میری نالائقی پر ڈانٹ پڑے گی، طرح طرح کے اندیشے پریشان کر رہے تھے، لیکن جواب آیا تو سارے اندیشے کافور ہو گئے، وہی لطف و کرم، وہی حوصلہ افزائی، وہی مربیانہ شفقت، دور دور بھی ادنیٰ ناگواری کا نام و نشان نہ تھا۔

مرے اک اک قدم پہ منزل مقصود قرباں ہے
ملا ہے خوبیِ قسمت سے ایسا رہنما مجھ کو

(حضرت عارفیؒ)

مشفقانہ تربیت اور مکتوب گرامی

حضرت کی حکیمانہ اور مشفقانہ تربیت کا بیان مجھ جیسے طفل مکتب سے کیا ہوگا، اپنا وہ عریضہ اور سامنے کے کالم میں حضرت کے جوابی ارشادات بعینہٖ نقل کرتا ہوں، جس سے آپ کی حکیمانہ اور آسان تعلیم کی ایک ہلکی سی جھلک سامنے آسکے گی۔

از احقر رفیع عثمانی غفرلہٗ
دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

مخدومی و مکرمی، مولائی و سیدی، جناب	
حضرت ڈاکٹر صاحب، اطال اللہ ظلکم المیمون	
علینا و علی سائر المسلمین، السلام علیکم	وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و
و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔	برکاتہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت والا کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔

احقر کی صحت بحمد اللہ اب بہتر ہے، لیکن کمر کی تکلیف بالکلیہ ختم نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ حضرت والا کی دعاء و توجہ سے باقی ماندہ تکلیف بھی ختم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ اور طاقت و عافیت نصیب فرماویں۔

حضرت والا جب ہسپتال میں تھے، دو بار احقر حضرت والد صاحب کی معیت میں ہسپتال حاضر ہوا، دوسری حاضری کے وقت حضرت کا دوبارہ آپریشن ہوا تھا، اور حضرت والا سخت تکلیف اٹھانے کے بعد ذرا سو گئے تھے، اس کے بعد پھر زیارت سے فیض یاب نہ ہو سکا، لیکن حضرت والا کی تکلیف سے دل بہت بے چین رہا، اور اللہ رب العالمین سے حضرت کی صحت کی دعا کرتا رہا نیز بالواسطہ بحمد اللہ صحت کا حال معلوم کرتا رہا، فون کرنے کی ہمت اس لئے کم ہوئی ہے کہ کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو، چند بار کوشش کی تو سوء اتفاق سے لائن نہ ملی، عید الاضحیٰ کے دن نماز کے فوراً بعد حاضر ہوا تھا، آنجناب مکان پر تشریف فرما نہ تھے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ

حضرت کے ارشاد فرمودہ معمولات میں

سے تلاوت قرآن کریم اور تسبیحیں تو بحمد اللہ اکثر پابندی سے ادا ہو جاتے ہیں، مگر اوقات کی بدنظمی کے باعث مناجات اکثر ناغہ ہو جاتی ہے۔ اب نظام الاوقات از سرِ نو ترتیب دیا ہے۔ انشاء اللہ حضرت کی دعا و توجہ سے کامیابی کی قوی امید ہے۔

حضرت والا! ایک الجھن شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ ایک سال پہلے تک تو جمعہ کے لئے ادھر حاضر ہوا کرتا تھا، گاڑی کا انتظام مسجد کی طرف سے تھا، تو حضرت والا کی مبارک مجلس میں حاضری کی بھی کچھ توفیق ہو جاتی تھی، مگر اب ایک سال سے حضرت والد صاحبؒ کے حکم سے اس مسجد کی بجائے دارالعلوم کی مسجد میں نماز جمعہ اور اس سے قبل بیان کا پابند ہو گیا ہوں۔

جمعہ کے بعد یہاں گاڑی نہیں رہتی، بس سے حاضر ہوں تو مغرب تک واپسی ممکن نہیں، اور مغرب کے فوراً بعد دارالافتاء میں حاضری ضروری ہوتی ہے۔

جمعہ کے علاوہ باقی ایام میں عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کے علاوہ تمام اوقات

جس قدر آسانی سے دوام ہو سکے اس کا معمول مقرر کر لیں۔

صرف ایک صفحہ پڑھ لیا کریں۔

اللہ تعالیٰ استقامت و برکت عطا فرمائے۔

یہ بہت مناسب ہے

دارالعلوم کے لئے متعین کردیئے گئے ہیں، اس طرح حاضری کے شرف سے اکثر محرومی رہتی ہے، جس کے باعث افسردگی قلب کے علاوہ ندامت بھی محسوس کرتا ہوں، صرف ایک چیز سے کچھ اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ اس محرومی کے باوجود بحمداللہ حضرت والا سے قلبی لگاؤ اور عقیدت میں ترقی ہورہی ہے۔ سوچتا ہوں کہ پابندی سے حاضری ہوتی تو اور ترقی نصیب ہوتی، اس سال دارالعلوم کے کاموں میں اضافہ اس لئے زیادہ ہوگیا ہے کہ احقر کی نااہلی کے باوجود والد صاحب مدظلہم نے اس ناچیز کو فتویٰ کے کام میں بھی لگایا ہے، مجھے فتویٰ کا کام سیکھنے کا عرصہ سے اشتیاق تھا، یہ موقع غنیمت معلوم ہوا کہ حضرت والد صاحب مدظلہم کی نگرانی میں یہ کام ہوجائے گا مگر بڑھتی ہوئی مصروفیت اختیاری ہے، اگر میں حضرت والد صاحب سے عرض کروں تو کاموں میں تخفیف ہوسکتی ہے، پھر مجلس میں حاضری کی بھی (کم از کم ہفتہ میں ایک بار) سبیل نکل آئے گی اب مشورہ طلب امر یہ ہے کہ اپنے ان کاموں میں تخفیف کی درخواست کروں یا نہیں؟ ویسے

آپ کے حالات و مشاغل و طلب طریق اور دینی تعلق معلوم ہوکر خوشی ہوئی، بس اسی طرح نظام الاوقات مقرر کرلیجئے کہ اپنے وقت پر سب کام ہوتے رہیں۔ مجلس میں آنے کے لئے صرف ایک ماہ میں ایک بار بھی ہو جائے تو غنیمت ہے، اس کی تلافی کثرت و باضابطہ مکاتبت سے ہوجاتی ہے، جس میں اپنے ترددات و اشکالات و امراض باطنی کا معاملہ پیش نظر ہو۔

تخفیف کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ مشاغل

اس کثرت کار سے بحمد اللہ صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑا، اور نہ اکتاہٹ محسوس ہوئی، بلکہ دلچسپی سے سب کام ہو رہے ہیں، صرف مجلس سے محرومی کا قلق ہے، والسلام،

احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی ۔۱۰؍۳؍۱۴۰۰ھ

و تنبیہ بہر صورت اہم اور نافع ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمادیں۔

جمیع مقاصد کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

لفظی رعایتیں

حضرت کا شعری و ادبی ذوق اعلیٰ معیار پر تھا، مجموعہ کلام "صہبائے سخن" کے نام سے چھپ چکا ہے جس پر "نیاز فتحپوری" نے بھی جاندار تبصرہ لکھا ہے، اب دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ روزمرہ کی گفتگو بھی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار کی ہوتی تھی، منتخب الفاظ، ڈھلی ڈھلائی ترکیبیں، لفظی رعایتیں اور اخلاص و محبت میں ڈوبا ہوا اسلوب بیان دل میں اترتا چلا جاتا تھا، مجھے بزرگوں کے سامنے بولنے کا سلیقہ تھا نہ لکھنے کا، ایک مرتبہ میں نے اپنا عریضہ لفافے میں دستی پیش کیا، جس پر میں نے لکھا تھا، "بخدمت گرامی قدر مطاع معظم سیدی و شیخی حضرت الخ۔"

اس پر نظر پڑتے ہی حضرتؒ مسکرائے، اور معنی خیز تبسم کے ساتھ فرمایا:۔

"شیخی؟ بھئی شیخی تو اچھی چیز نہیں ہوتی۔"

"شیخی" کے جو معنی اردو میں مستعمل ہیں، میرا ذہن اس طرف بالکل نہ گیا تھا، حضرتؒ نے لطیف انداز میں توجہ دلائی تو شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

تعلق بیعت قائم ہوجانے کے بعد ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک

ناچیز نے جو خطوط حضرت کی خدمت میں بھیجے ان میں القاب و آداب بھی بھی اس طرح لکھا کرتا تھا۔

"مخدومی و مطاعی، سیدی و سندی، حضرت ڈاکٹر
عبدالحی صاحب متعنا اللہ بفیوضہ وبرکاتہ۔۔"

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کے عریضے میں بھی یہی الفاظ لکھے تھے، حضرتؒ نے لفظ "ڈاکٹر عبدالحی صاحب" پر خط ڈال کر تحریر فرمایا کہ:۔

"یہ الفاظ قابل حذف ہیں۔"

اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا نام خط میں نہیں لکھتا اس طرح مجھے یہاں کرنا چاہیے۔

خصوصی مجلس

طرح طرح کے عوارض اور مشکلات کے باعث جن کا کچھ ذکر پیچھے بھی آیا ہے، ہم دونوں بھائیوں کو جمعہ کی مجلس میں پابندی سے حاضری کا موقع نہ ملتا تھا، خصوصاً مجھے تو اور بھی کم موقع ملتا تھا، اسی لئے حضرتؒ نے پچھلے مکتوب گرامی میں احقر کو تحریر فرمادیا تھا کہ مہینے میں ایک بار بھی حاضری ہو جایا کرے تو غنیمت ہے، لیکن حضرت کی بے پایاں توجہ و شفقت جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی اس کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت والا نے ہم دونوں بھائیوں کے لئے ایک خصوصی مجلس جمعرات کے دن کی مقرر فرمادی، حالانکہ اس زمانے میں حضرت کی علالت کا سلسلہ بھی جاری تھا، آنکھ کے آپریشن کے اثرات بھی چل رہے تھے، اس مجلس میں اس وقت صرف ہم دونوں بھائی ہی ہوتے تھے، حضرت کی رہائش پاپوش نگر سے

شمالی ناظم آباد کے مکان میں منتقل ہو چکی تھی ضعف و علالت کے باوجود حضرت اس مجلس کا نہایت بشاشت و انشراح کے ساتھ اہتمام فرماتے تھے۔

حضرتؒ کی اس خصوصی عنایت و شفقت کی بدولت بحمداللہ ہر ہفتہ حاضری ہوتی تھی، والد ماجدؒ اس پر نظر رکھتے تھے کہ ہم حضرت کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس زمانے میں ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ کی علالت انتہائی تشویش ناک صورت اختیار کرچکی تھی، حضرت والد صاحبؒ بھی علیل تھے، جب ہم جمعرات کو حضرت کی خدمت میں حاضری کے لئے شہر جاتے تو والدہ صاحبہ مرحومہ کے معالج ڈاکٹر کے پاس بھی ان کے معالجے کے سلسلہ میں جانا ہوتا تھا۔ کیونکہ گاڑی دارالعلوم کی تھی، جو ہفتہ میں صرف ایک ہی دن مل سکتی تھی، اور مشکل یہ تھی کہ معالج کے ملنے کا وقت بھی تقریباً وہی تھا جو مجلس کا تھا، اس لئے بارہا اس مجلس میں بھی حاضری تاخیر سے ہوتی تھی، حضرت والد ماجدؒ کو علم ہوا تو فرمایا۔

> "حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے صرف تمہارے لئے یہ وقت فارغ کیا ہے، اب حاضری میں تاخیر سے ان کو تکلیف پہنچے گی، جب کسی قوی عذر کے باعث تاخیر کا اندیشہ ہو تو پہلے سے فون پر اطلاع کردیا کرو، تاکہ وہ منتظر نہ رہیں اس طریق میں مرید کی طرف سے مرشد کو ادنیٰ تکلیف پہنچنا مرید کے لئے سخت مضر ہوتا ہے۔"

موجودہ صورتحال سے پہلے ہی دل سخت پریشان تھا، اب اور بھی گھبراہٹ رہنے لگی، حل کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا، یہ عرصہ سخت پریشانی اور ندامت میں گزرا۔

تواضع و شفقت

لیکن حضرت کی شفقت کا حال یہ تھا کہ عرصہ تک اشارۃً بھی شکوہ نہ کیا، اس کے برعکس جب بھی حاضری ہوتی، اس قسم کے ارشادات فرماتے:۔

"بھئی آپ کے آجانے سے ہمارا جی بہت خوش ہوتا ہے۔"

"بھئی آپ حضرات کو بہت دور سے آنا پڑتا ہے یہ بھی بڑا مجاہدہ ہے۔"

"بھئی آپ حضرات کا ہمیں انتظار رہتا ہے جب موقع ملا کرے آجایا کریں۔"

"ماشاء اللہ آپ حضرات میں طلب ہے، طلب بڑی چیز ہے، اس سے ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔"

تواضع و شفقت کا اندازہ فرمایئے کہ یہ جملہ بھی اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"بھئی آپ حضرات کے آجانے سے ہمیں بڑی تقویت ہوتی ہے۔"

حضرت یہ ارشادات فرماتے، اور ہم اندر ہی اندر شرم سے پانی پانی ہوجاتے، کافی عرصہ یہی صورت رہی تو ایک دن حضرت کو شکایت کرنی ہی پڑی، حضرت نے یہ شکایت بہت لطیف انداز میں اشارۃً فرمائی، مگر دل سخت بے چین ہوگیا، ادھر اس واقعہ کے تین ہی روز بعد احقر کو کمر کی شدید تکلیف نے پھر صاحبِ فراش کردیا، اس بے چینی کے عالم میں احقر نے ایک عریضہ کسی کے ہاتھ بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ:۔

"حضرت والا یہ پورا ہفتہ بہت بے چینی، افسردگی، اور کسی قدر یاس کے عالم میں گزرا، یہ احساس بار بار پریشان کر رہا ہے کہ حضرت والا نے محض احسان و کرم سے احقر پر جو مشفقانہ نظر فرمائی، اور علالت کے باوجود طویل نشست کو خلاف معمول برداشت فرمایا، اس سیاہ کار غلام نے اپنے عمل سے اس کی کماحقہ قدر نہ کی، دل میں اگرچہ اس احسان عظیم کا غیر معمولی شدت کے ساتھ احساس تھا، لیکن عمل سے مسلسل سستی اور لاپرواہی جھلکتی رہی، حتی کہ حضرت والا کو اشارۃً اس کا اظہار فرمانا پڑا، حضرت میں بہت پشیمان اور بے چین ہوں، خدارا اپنے غلام کے اس کفران نعمت سے درگزر فرمادیں، ورنہ اپنے دین و دنیا کی تباہی سامنے نظر آرہی تھی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ:

"ابتداء میں ایسے ہی خیالات و احساسات ہوتے ہیں، اور یہ رفتہ رفتہ معین و معاون ہو جاتے ہیں اہتمام عمل کے لئے، اور تلافی مافات کے لئے۔"

میرا جی چاہتا ہے کہ نوجوان اور قدیم طالبان طریق کو حقیقت طریق سے جس قدر ممکن ہو آگاہ کرتا رہوں تاکہ ان کی طلب اور ہمت میں حوصلہ افزائی ہو، وما توفیقی الا باللہ العظیم

احقر نے آگے لکھا تھا کہ:

"حضرت والا میری طبیعت میں سستی بہت ہے، اپنی نظر میں محنت بہت کرتا ہوں، لیکن ہر کام دیر میں ہوتا ہے، اس مصیبت سے نجات کی بھی دعا فرمائیں۔"

حضرتؒ نے تحریر فرمایا۔

"جب اس کا احساس ہے کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی رفتہ رفتہ نجات حاصل ہو جائے گی۔"

آگے ناچیز نے لکھا تھا کہ:۔

"حضرت! عرصہ دراز سے بارہا خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدگی سے شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، مگر کچھ سستی اور مصروفیات کا ہجوم مانع بنتا ہے۔"

حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا:۔

"مکاتبت کے لئے بھی اس کی اہمیت کا ذہن میں ہونا ضروری ہے، پھر کسی دن مقررہ کے ایک وقت مقررہ پر صرف دریافت خیریت کے لئے چند سطریں لکھنے کا معمول کرلیں، انشاء اللہ تعالیٰ پھر مضامین حالات کے، خود بخود عود کرنے لگتے ہیں۔"

احقر نے آگے لکھا تھا:۔

"ایک بڑا حجب اور ہے، اور وہ یہ خیال ہے کہ سلوک، طریقت اور اصلاح باطن میں لگنا تو ان خوش نصیب لوگوں کا کام ہے جو شریعت کے اعمال ظاہرہ کے

پابند ہو چکے ہوں' لیکن اپنا حال یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام و فرائض اور منہیات جن کا ایک ادنیٰ مسلمان بھی پابند ہوتا ہے' انہی میں بار بار بکثرت تساہل ہو جاتا ہے' نماز فجر کا بکثرت قضا ہو جانا' اور دیگر منہیات' اور بعض اوقات صریح کبائر کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔"

حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"ان امور لوازمی شرعیہ پر کما حقہ عمل' اصل مقصود ہے' اور یہ مقصود حاصل ہوتا ہے' اصلاح باطن ہی کے اہتمام سے۔"

احقر نے آگے لکھا تھا کہ:۔

"ان حالات میں حضرت کی خدمت میں احوال باطنی کیا لکھوں جب ظاہر ہی کا یہ حال ہے۔"

حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا:۔

"یہ جو کچھ لکھا ہے' اسی کا نام احوال باطنی ہے۔"

ناچیز نے آگے لکھا تھا:۔

"گناہوں سے توبہ کرتا ہوں' پھر ہو جاتے ہیں' جس کے باعث خود سے نفرت ہوتی جا رہی ہے' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان مجھ سے بہت اچھا ہے' اور شاید سب سے زیادہ مجرم میں ہی ہوں۔"

حضرتؒ نے تحریر فرمایا:۔

"عمر بھر یہی ہوتا رہے گا' اور عمر بھر اس کا تدارک

کرنا ہوگا، اور عمر بھر یہی احساس قائم رکھنا ہوگا، اور اسی پر مدار کامیابی ہے۔"

احقر نے آگے لکھا تھا کہ:۔

"حضرت یہ خیال اکثر ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی تو شاید درجات عالیہ میرے مقدر میں نہیں ورنہ اعمال کا یہ حال نہ ہوتا۔"

حضرتؒ نے تحریر فرمایا:۔

"یہ وہم بھی قابل ترک ہے۔"

اسی خط میں احقر نے لکھا تھا کہ:۔

"الحمدللہ اب فارغ وقت میں مزید ذکر کو دل چاہنے لگا ہے، یہ حضرت والا کا ہی فیض ہے، چنانچہ ایسے اوقات میں بقدر گنجائش ان اذکار میں سے کچھ پڑھ لیتا ہوں، جو آنجناب نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے ہیں۔"

حضرت نے تحریر فرمایا:۔

"رفتہ رفتہ اضافہ بقدر وسعت وقت، اور بقدر تحمل صحت کرنا چاہیے۔"

آگے ناچیز نے لکھا تھا:۔

حضرت والا! تین روز سے کمر میں پھر تکلیف شروع ہوگئی، صاحب فراش ہوں، کروٹ لینا بھی مشکل ہے۔"

حضرت نے تحریر فرمایا:۔

اس اطلاع سے قلق ہوا، اللہ تعالیٰ جلد صحت

کاملہ، اور عافیت کاملہ عطا فرمادیں۔"

آگے احقر نے لکھا تھا کہ۔

"بار بار خیال ہوتا ہے کہ جمعرات تک اگر یہی حال رہا تو حاضری سے محروم رہوں گا۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ تکلیف کی شدت اس کفران نعمت کا وبال تو نہیں ہے جو میں جمعرات کی حاضری میں کوتاہی کی صورت میں مسلسل کرتا رہا۔"

حضرت نے تحریر فرمایا:

ایسا وہم ہرگز نہ کریں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد صحت ہو جائے گی۔"

آخر میں احقر نے لکھا:

"اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ حضرت سے دعاء کی درخواست ہے۔"

حضرت نے حسب معمول تحریر فرمایا:

"دل سے جمیع مقاصد حسنہ کے لئے دعا کرتا ہوں"۔

آخر میں میرے دستخط تھے جو صاف پڑھے نہ جاتے تھے۔ حضرت نے تنبیہ فرمائی کہ:

"دستخط کے بجائے نام صاف لکھنا چاہیے۔"

غرض میری مسلسل کوتاہیوں کے باوجود حضرتؒ کے لطف و کرم میں اضافہ ہی ہوتا گیا، بلا مبالغہ تقریباً ہر ملاقات پر محسوس ہوتا تھا کہ حضرتؒ کا

التفات و کرم اور بھی بڑھ گیا ہے۔

کار فرما ہے تیری چشم کرم کی شوخی
ورنہ یہ جرأت تقصیر خطا کاروں میں ؟

(حضرت عارفیؒ)

پیر کی مجلس

جمعرات کی یہ خصوصی مجلس ابتداء میں بعد عصر ہوتی تھی، پھر کافی عرصہ تک بعد مغرب ہوتی رہی، پھر بدھ کو ہونے لگی، بالآخر پیر کا دن مقرر ہو گیا، اور آخر حیات تک تقریباً دس سال علم و عرفان کی یہ مبارک مجلس پیر ہی کو عصر سے مغرب تک ہوتی رہی۔ یہ مجلس "خصوصی" ضرور تھی، لیکن اس میں آنے سے کسی کو روکا نہ جاتا تھا، جوں جوں اس خصوصی مجلس کی خبر حضرت کے پروانوں کو ہوتی گئی، اس میں بھی حاضری بڑھتی چلی گئی، آخر کے دس سال میں تو حاضرین کی کثرت کے باعث حضرت کو لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا پڑتا تھا، جمعہ کو عام مجلس ہوتی تھی، جس میں حاضرین کی تعداد دو چند ہوتی تھی، لاؤڈ اسپیکر کے ہارن زنانہ میں بھی نصب کر دیئے جاتے تھے کیونکہ دونوں مجلسوں میں خواتین بھی خاصی تعداد میں بڑے شوق و ذوق سے حاضر ہوتی تھیں۔

پیر کی اس پر کیف مجلس کا کچھ حال ذکر کرنا چاہتا ہوں...... لیکن سمجھ میں نہیں آرہا کیا کہوں؟ کس طرح کہوں؟ قوت بیان کہاں سے لاؤں؟...... کہہ بھی سکوں گا یا نہیں؟

حضرتؒ کی ایک غزل

اس کشمکش شوق میں یہ تائید غیبی ہی ہے کہ حضرت والاؒ کی ایک بڑی پرترنم غزل سامنے آگئی، اسی کو تمہید بناتا ہوں، کیونکہ در حقیقت وہی اس بیان کے لئے حدی خواں ہے، وہی میری موجودہ کشمکش کی ترجمان، اور اسی کا تعلق میری کشمکش کا امید افزا جواب ہے۔

کب تک آخر یورش افکار کی باتیں کریں
آؤ اب کچھ دیر بزم یار کی باتیں کریں

اپنے دل کو اپنی خلوت کا بنا کر ہم نشیں
چپکے چپکے حسن و عشق یار کی باتیں کریں

عشق کی رنگین فضاؤں کے ترانے چھیڑ دیں
حسن کے پرکیف جلوہ زار کی باتیں کریں

پیچ و تاب غم کو دل سے محو کردیں سر بسر
ہوکے بے خود چشم مست یار کی باتیں کریں

پہلے جان و دل میں بھر لیں مستی صہبائے شوق
پھر کسی کی لذت گفتار کی باتیں کریں

تلملا کر دل کی ہر خوابیدہ حسرت جاگ اٹھے
یوں کسی کی شوخی رفتار کی باتیں کریں

اضطراب شوق میں رنگ جنوں آنے لگا
کس طرح اب حسن عشوہ کار کی باتیں کریں

عارضی وارفتگی دل ہی جو چاہے کرے
ورنہ ہم اور اپنی جان زار کی باتیں کریں

یہ "وارفتگی" حضرت والا کا وہ مقام "فنائیت" تھا، جو انکی ہر ادا، اور حرکت سکون میں سمایا ہوا تھا، اس کو وہ ہر کامیابی کی کلید، ہر مشکل کا علاج، اور طریقت کا حاصل قرار دیتے تھے، یعنی خود کو ہیچ کر کے محض اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنا، اور اپنے سب ارادے اس کے ارادے میں فنا کر دینا، خود ہی فرماتے ہیں۔

میں نے کر دی کشتی دل نذر گرداب فنا
بحر غم میں اس سے بہتر دوسرا ساحل نہیں

یہ قلم

جس قلم سے یہ صفحات لکھ رہا ہوں، یہ بھی حضرت والا ہی کا عطیہ ہے، جو مدت تک حضرتؒ کے استعمال میں رہا، پھر وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل اس ناکارہ غلام کو عنایت فرما دیا تھا، یہ قلم بھی اگر اسی "وارفتگی" کی نظر ہو جائے تو زہے نصیب۔

آمدم برسر مطلب

پیر کی یہ خصوصی مجلس کیا تھی؟ اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں، جنکو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دولت نصیب ہوئی۔ یہ علم و عرفان، عشق و محبت، رموز طریقت، پند و موعظت، سوز و گداز، شعر و ادب، روایات و حکایات، اور مزاح و ظرافت کی ایسی پر کیف قوس و قزح تھی کہ وہ عالم ہی کچھ اور نظر آتا تھا، اس پر حضرت والاؒ کی شیریں بیانی، جیسے پھول جھڑ

رہے ہوں، شفقت و دلسوزی کا یہ انداز کہ ایک ایک لفظ پیار و محبت کے رس میں ڈوبا ہوا، لہجہ ایسا اثر انگیز اور دھیما جیسے ابر رحمت کی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو۔ مجلس میں ہر ایک کا یہ حال ہوتا تھا کہ۔

جہاں تک بھی نظر جاتی ہے جلوہ گاہ ہستی میں
محبت ہی محبت جلوہ گر معلوم ہوتی ہے

(حضرت عارفیؒ)

غرض ایک دلکش سماں تھا جس میں آنے والا سارے غم بھول جاتا تھا۔ اس کا انداز کیا تھا؟ خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

عارفی پیر مغانم "بادہ غم سوز" داد
یافتم از کیف آں روح دگر جان دگر

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے حکیمانہ ملفوظات کی تشریح، اور مجتہدانہ معارف کا بیان ایسے دلنشین انداز میں فرماتے کہ قلب کی حالت یکسر بدل جاتی تھی بلکہ قلب کی حالت تو مجلس کو جاتے ہوئے راستہ ہی میں بدلنے لگتی تھی۔

اس نے دیکھا دل کی جانب ایسے کچھ انداز سے
کائنات آرزو زیر و زبر ہونے لگی

(حضرت عارفیؒ)

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا دھیان، عفو و مغفرت کی امیدیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا استحضار، اتباع سنت کا ذوق و

شوق، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اپنے گناہوں پر ندامت، اصلاح کی پر امید فکر، جذبہ عمل، شوق ذکر، حقوق العباد، اور آداب معاشرت کا اہتمام اللہ تعالیٰ پر بھروسہ و اعتماد، تواضع و انکساری، شکر و قناعت سکون و طمانیت کیا کیا وہ نعمتیں تھیں جو دل کو اس مجلس میں ملتی تھیں۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے مے خانہ
کسی کا ذکر ہے اور اہل محفل مست و بے خود ہیں
بہ ظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے نہ پیمانہ

پیر کی یہ مجلس بحمد اللہ رفتہ رفتہ جزو زندگی بنتی چلی گئی، شب و روز کے تمام افکار و مشاغل پر پچھلی مجلس کا کیف و سرور، اور اگلی مجلس کا شوق و اہتمام سایہ فگن رہنے لگا۔ بہ قول حضرت عارفیؒ ۔

وہی جلوے جو تھے آنکھوں سے پنہاں
انہی جلووں میں اب مستور ہیں ہم

آخر کے یہ دس سال بحمد اللہ اس طرح گزرے کہ کراچی میں رہتے ہوئے پیر کی شام حضرت ہی کے ساتھ گزرتی تھی۔ پیر کی شام ہماری زندگی کی ایسی بنیاد تھی کہ فرائض و واجبات کے علاوہ تمام مشاغل اور نظم اوقات اس کے تابع تھے۔ حضرت والاؒ بھی اس مجلس کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ سخت بخار اور تکلیف میں بھی ناغہ نہ فرماتے تھے اور اس وقت کوئی اور مصروفیت ہرگز قبول نہ کرتے تھے۔

حضرت والد ماجدؒ کا ملفوظ

حضرت والد ماجدؒ نے احقر سے کئی بار فرمایا تھا کہ:۔

"ریلوے جب اپنا ٹائم ٹیبل مرتب کرتی ہے تو سب سے پہلے وہ مین لائن کی ایکسپریس اور میل گاڑیوں کے اوقات مقرر کرتی ہے۔ اس کے تابع پسنجر ٹرینوں اور برانچ لائنوں کے اوقات مقرر کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح تمہیں بھی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اپنی زندگی کی ایک "مین لائن" مقرر کرکے اسکا ایسا مستحکم نظام الاوقات مقرر کرنا ہوگا کہ باقی تمام مشاغل و اعمال اس کے تابع ہوجائیں۔"

حسرت ہوتی ہے کہ حضرت والد ماجدؒ کی حیات میں تو یہ نہ ہوسکا، اب وہ دیکھتے تو ان کو بہت اطمینان ہوتا۔

میں ہوں جس عالم میں اس عالم کا اب کیا رنگ ہے
کاش بھولے سے کبھی تم بھی تو آکر دیکھتے

(حضرت عارفیؒ)

تاہم بحمداللہ حضرت عارفیؒ کی عنایات سے اس حد تک یہ دولت نصیب ہوگئی کہ پیری کی یہ مجلس ہماری "مین لائن" کے نظام الاوقات کا محور بن گئی۔ بہ قول حضرت عارفیؒ :۔

اب نہ منزل کی طلب ہے، اور نہ منزل کا پتہ
ایک دھن ہے، اور اسی دھن میں چلا جاتا ہوں میں

"پیر" کا دن

یہ "پیر" کا لفظ دن کا نام تو ہے ہی، اردو میں شیخ و مرشد کو بھی "پیر" کہتے ہیں، اردو میں اگرچہ یہ لفظ پیشہ ور سجادہ نشینوں اور نام نہاد پیروں کی وجہ سے مبتذل سا ہو گیا ہے، لیکن کبھی کبھی مبتذل کلمہ بھی لطف پیدا کر دیتا ہے۔ ایک اتوار کو ہم حضرتؒ کے دولت خانے پر حضرت کی خدمت میں بیٹھے تھے ایک صاحب ہمیں اپنے مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے سلسلہ میں، یا کسی اور معاملے میں مشورہ کے لئے اپنے یہاں لے جانا چاہتے تھے، حضرت کی بھی خواہش تھی کہ وعدہ کر لیا جائے۔ ان صاحب نے بھی تجویز پیش کی کہ کل شام کو بعد عصر چلیں حضرتؒ نے بھی تائید فرمائی۔ شاید خیال نہ رہا تھا کہ کل پیر ہے۔ میں نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر حضرتؒ سے عرض کیا کہ "حضرت کل تو "پیر" کا دن ہے۔" حضرت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ "ہاں بھائی کل تو "پیر" کا دن ہے" پھر فرمایا "کوئی اور دن رکھ لو۔"

درد کا درماں

مجھے تو یہ صورت بکثرت پیش آئی، اور بھی کئی حضرات نے یہ بیان کیا کہ ہم کوئی سوال یا ذہنی الجھن لے کر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوتے تو عموماً ہمارے کسی سوال کے بغیر ہی حضرت والاؒ از خود وہ مسئلہ چھیڑ دیتے اور دوران گفتگو اس پر ایسی سیر حاصل بحث فرما دیتے کہ دل کو تقویت ہو جاتی، حضرت والاؒ اپنے مرشد کی مجلس کا بھی یہی حال بیان فرمایا کرتے تھے، حضرت والاؒ نے

اس کا راز بتایا کرتے [لہ]

> "اس کی وجہ یہ نہیں کہ بولنے والے کو حاضرین کے دل کا حال معلوم ہوتا ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ جب طالب، اللہ تعالیٰ کی سچی طلب لے کر استاذ یا مرشد کے پاس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور وہی استاذ و مرشد سے ایسی بات کہلوا دیتے ہیں جو طالب کی ضرورت اور فائدے کی ہوتی ہے اگرچہ خود استاذ و مرشد کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے یہ بات کیوں اور کس کی طلب پر کہی ہے۔"

جب تک طاقت نے ساتھ دیا، حضرت والاؒ پیر کو بھی عصر کی نماز محلّے کی مسجد "النور" میں پڑھتے رہے، مجلس میں آنے والے حضرات کی بھی یہی کوشش ہوتی تھی کہ نماز وہیں پڑھیں۔ نماز کے بعد حضرت اور سب خدام دولت خانے پر جمع ہو جاتے۔ گرمیوں میں یہ مجلس دولت خانے کے وسیع سبزہ زار پر ہوتی اور موسم سرما میں مردانہ ہال میں، حاضرین کا رخ قبلہ کی طرف اور حضرت کا رخ حاضرین کی طرف ہوتا تھا، حضرتؒ ہمیشہ اسی سطح پر بیٹھتے جس پر سب حاضرین ہوتے تھے، چوکی پر بیٹھنا پسند نہ فرماتے تھے، کسی قسم کا کوئی تکیہ بھی پیچھے نہ ہوتا تھا، علالت اور شدید ضعف و تکان کی حالت میں بارہا خدام نے درخواست بھی کی، مگر کبھی مجلس میں تکیہ لگانا یاد نہیں، سامنے فارمیکا کی ایک چوکی نما میز پر مائک رہتا تھا، جسکے اردگرد کئی کیسٹ ریکارڈر

[لہ] احقر نے اس پورے مضمون میں جہاں بھی حضرت والاؒ کا یا حضرت والد ماجدؒ کا کوئی ملفوظ بیان کیا ہے اپنی یادداشت سے لکھا ہے، بعینہٖ الفاظ یاد نہیں، مفہوم حتی الامکان ٹھیک ٹھاک نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ رفیع

آپ کے ایک ایک حرف کو ٹیپ کرتے رہتے تھے، ان میں سے ایک چھوٹا ٹیپ کیسٹ ریکارڈر خود حضرت کا تھا، باقی حاضرین کے ہوتے تھے، انہی کیسٹوں کی مدد سے حضرت کے ملفوظات کے متعدد چھوٹے بڑے مجموعے اب تک تیار ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت پان کھاتے تھے، لیکن اس میں تمباکو کے بجائے مختلف خوشبوئیں، اور خاص طور سے ایک خوشبودار مسالہ استعمال فرماتے تھے، جو سفوف کی طرح کا تھا، مجلس کے دوران ایک صاف ستھری تھالی میں پان اور اس کے تمام متعلقات پاس رکھے رہتے، سامنے میز کے نیچے ایک چمکدار اسٹین لیس اسٹیل کا ڈھکن دار خوبصورت اگالدان رکھا رہتا۔ اس کے کسی حصہ پر احقر نے کبھی کسی قسم کا نشان یا دھبہ نہیں دیکھا۔ حضرت کے مزاج میں بڑی نفاست اور لطافت تھی، کپڑے بھی ہمیشہ صاف اور اجلے ہوتے تھے، خوشبو بڑی متوازن استعمال فرماتے تھے، جو قریب آنے والے ہی کو محسوس ہوتی تھی، حضرت کے دیرینہ نیازمند اور خلیفہ مجاز جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب دامت برکاتہم (ڈائرکٹر جنرل ہمدرد وقف) حضرت کے پہلو میں ذرا پیچھے بیٹھے رہتے، وہ پان کا بیڑا حضرت کے مزاج کے عین مطابق بنا کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں تیار رکھتے حضرتؒ محو گفتگو ہوتے، اس کیفیت میں جب پان کی طلب ہوتی تو بے ساختہ ان کی طرف ذرا سا مڑتے، اور وہ فوراً بیڑا پیش کر دیتے تھے، مجھے محترم ڈاکٹر الیاس صاحبؒ کی اس ادا پر بڑا رشک آتا تھا کہ برسوں میں کبھی یاد نہیں کہ حضرتؒ نے ان کی طرف گردن کو فوراً جنبش دی نہ ہو، اور انہوں نے تیار بیڑا ہاتھ میں نہ تھمایا ہو، اس طرح حضرت کے بیان کے تسلسل میں ادنیٰ خلل بھی واقع نہ ہوتا تھا۔

اکثر اذان مغرب سے ذرا پہلے مجلس ختم ہو جاتی تھی' اور حضرت اعلان فرما دیتے تھے کہ لوگ مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیں' لیکن حضرت چونکہ ضعف کے باعث اس زمانے میں مغرب کی نماز دولت خانے ہی پر پڑھتے تھے۔ اس لئے ہم اور دوسرے بہت سے حاضرین یہیں رک جاتے اور یہیں حضرت کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے۔

اذان کا جواب

حضرت والاؒ کا اذان کا جواب دینے کی سنت پر بھی بہت اہتمام سے عمل فرماتے اور حاضرین کو بھی تلقین فرماتے تھے۔ کتنی ہی اہم بات چل رہی ہو اذان کی آواز آتے ہی فوراً قطع فرما دیتے تھے۔ بسا اوقات کئی مسجدوں کی اذان بیک وقت سنائی دیتی تھی' ایسے میں جواب کونسی اذان کا دیا جائے؟ حضرتؒ کا معمول اور تعلیم یہ تھی کہ ایسے میں اپنے محلے کی اذان کا جواب دیا جائے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی اہم فوری گفتگو کی محویت میں اذان کی طرف دھیان نہ گیا کچھ اذان کی آواز بھی ہلکی تھی یہاں تک کہ اذان ختم ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ بعجلت اذان کے کلمات اپنی زبان سے ادا کر کے اذان کے بعد کی دعا پڑھ لی جائے' ایسی صورت میں خود بھی یہی عمل فرماتے تھے۔

اذان کے بعد کی دعا

آپ نے یہ ارشاد بارہا فرمایا کہ:۔

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے بے شمار دعائیں فرمائیں' اور ایسی دعائیں فرمائیں کہ ہم عمر

بھر سوچتے رہتے تو دین و دنیا کی ہر بھلائی کے لئے ایسی جامع
دعائیں نہ کرسکتے، جو دعاء خیر میں انہوں نے ہمیں یاد رکھا،
حتی کہ معراج[1] میں جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے آپ کو
یہ خطاب دلنواز فرمایا گیا ہے کہ "السلام علیک ایہا النبی
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" (اے نبی آپ پر سلام ہو، اور اللہ
کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں) تو آپ نے اس
وقت بھی امت کو یاد رکھا، اور ان کو بھی اس انعام میں
شامل کرنے کے لئے عرض کیا کہ "السلام علینا وعلی

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ابن ملک" کا یہ قول منقول ہے کہ "روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد ان کلمات سے فرمائی یعنی (التحیات للہ والصلوٰت والطیبات) پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" ۔۔۔۔ پس جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ" شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں فرمایا ہے کہ "مجھے اس قصہ کی کوئی سند نہیں ملی" اور در مختار میں صراحت ہے کہ (نماز میں) تشہد کے الفاظ سے نیت انشاء کی کرنی چاہیے۔ خبر وحکایت کی نیت نہیں کرنی چاہیے (دیکھئے فتح الملہم ص ۲۲ ج ۲) یعنی نماز میں تشہد پڑھتے وقت یہ نیت نہیں کرنی چاہیے کہ ہم وہ قصہ بیان کر رہے ہیں بلکہ یہ نیت کرنی چاہیے کہ ہم "تحیات" اللہ تعالیٰ کو پیش کر رہے ہیں، اور سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج رہے ہیں (فرشتے ان کو پہنچا رہے ہیں) رفیع۔

> عباداللہ الصالحین' (ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو)۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بے شمار دعائیں فرمائی ہیں البتہ ایک دعا کی فرمائش امت سے کی ہے کہ تم وہ دعا میرے لئے کرو[1]۔ اور وہ یہی دعا ہے جو اذان کے بعد کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش ہے۔ اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے' انکے احسانات کا شکر تو ہم عمر بھر بھی ادا نہیں کرسکتے' لیکن یہ انکی محبت کا ادنیٰ حق ہے جسے ادا کرنا ہمارے لئے بڑی سعادت ہے۔"

پھر فرمایا کہ:۔

> "معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد کا وقت' قبولیت دعا کا خاص وقت ہے' جبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے لئے دعا کی فرمائش کی لہٰذا اس وقت کو بہت غنیمت جاننا چاہیے۔ اس دعا کے فوراً بعد اپنے لئے بھی دعا کرلینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں ہماری یہ دعا بھی قبول ہوجائے گی۔"

یتیموں کی سرپرستی

حضرت والاؒ سے بیعت کا شرف ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء میں حاصل ہوا تھا' اور

---

[1] چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں سند صحیح کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فرمائش صراحۃً منقول ہے۔ رفیع

حضرت والاؒ کی وفات ۱۵ رجب ۱۴۰۶ھ (۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء) کو ہوئی اس طرح اللہ کے فضل و کرم سے تقریباً سترہ سال حضرتؒ سے استفادے کا موقع ملا۔ سوا سات سال حضرت والد ماجدؒ کی حیات میں اور پورے دس سال انکی وفات کے بعد۔

حضرت والد ماجدؒ کی وفات کا حادثہ ہماری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا' اس حادثے کا ڈر بچپن سے ایسا لگا ہوا تھا کہ وہ سفر میں تشریف لے جاتے تو مفارقت برداشت نہ ہوتی تھی خود بھی انکے بغیر کسی لمبے سفر پر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ میں یہ سوچ کر سہم سہم جاتا تھا کہ اگر یہ حادثہ میری زندگی میں پیش آگیا تو برداشت کیسے ہوگا' انکے بغیر زندہ کیسے رہوں گا' اور زندہ رہ گیا تو وہ زندگی کتنی تلخ ہوگی؟۔

لیکن والد ماجدؒ کا ہم پر یہ کتنا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اپنی وفات سے سات سال پہلے ہی ہمارا ہاتھ حضرت عارفیؒ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ جب حادثہ وفات پیش آیا تو بلا شبہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' اس وقت میری عمر چالیس سال تھی' لیکن یہ عمر انکے سایہ شفقت میں اس طرح گزری تھی کہ ہم سب بھائی خود کو بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ان کا سایہ اٹھ جانے سے ہم بھی یتیم ہوگئے دارالعلوم بھی بلکہ بقول حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے "برصغیر کے علماء کرام یتیم ہوگئے" لیکن یہ حضرت عارفیؒ کی دعا اور توجہ خاص کی برکت تھی کہ اللہ رب العالمین نے اس وقت دل میں ایسی قوت اور برداشت پیدا فرمادی کہ اب بھی سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔

۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ کی صبح کو حضرت والد ماجدؒ کا جنازہ گھر میں رکھا تھا'

رات ۱۲ بج کر ۱۹ منٹ پر ان کی وفات ہو چکی تھی، میں جنازہ کے پائنتی کی طرف حضرت عارفیؒ کے پہلو میں کھڑا تھا، اچانک دل میں ایک امید افزا احساس بڑی قوت سے پیدا ہوا، اور میں نے رندھی ہوئی آواز میں مگر پر اعتماد انداز میں حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ:

> "حضرت ہم آپ کی موجودگی میں خود کو یتیم نہیں سمجھتے"

حضرت والا نے دست شفقت میرے کاندھے پر رکھا اور لمحہ بھر توقف کرکے پر عزم انداز میں فرمایا کہ:

> "بلا شبہ آپ کو میرے متعلق یہی احساس رکھنا چاہیے، میں بھی انشاء اللہ آپ کے اس تعلق محبت کا حق ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش کروں گا۔"

ایسے موقع پر لوگ تسلی کے لئے اس قسم کی باتیں کہہ تو دیا کرتے ہیں لیکن نبھاتا کون ہے؟؟ اور نبھانا آسان بھی تو نہیں، لیکن یہ عارف باللہ، ولی اللہ کا وعدہ تھا جو اس کے تمام عواقب و نتائج پر غور کرنے کے بعد کیا گیا تھا آپ نے زندگی بھر اس کے ایک ایک لفظ کا ایسا حق ادا فرمایا کہ اس کی نظیر کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ حضرت کو معلوم تھا کہ حضرت والد صاحب ہم سب بھائیوں پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، اور یہ بھی احساس تھا کہ بہ قول حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب "حضرت مفتی صاحبؒ کے سب بیٹے اپنے باپ کے عاشق ہیں" اس کا لحاظ حضرت عارفیؒ نے عمر بھر رکھا، ہر ہر قدم پر ہماری دلداری، اور دلنوازی کا وہی انداز اختیار فرمایا جس کی توقع صرف والد صاحبؒ ہی سے کی جا سکتی تھی۔ ایسے بے شمار واقعات کی حسین

یادیں آج بھی ہم سب کے لئے سرمایہ تسکین اور باعث تقویت ہیں' بہ قول حضرت عارفیؔ۔

اس التفات خاص کا میں لطف کیا کہوں
جس نے دیا ہے' درد وہی غم گسار ہے

طبعی غم اور والد صاحبؒ کی یاد تو اپنی جگہ' لیکن جن مواقع میں انسان کو اپنے باپ کی سرپرستی رہنمائی حوصلہ افزائی اور دستگیری کی ضرورت ہوتی ہے' ان میں حضرت نے کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی ان کی خدمت میں پہنچ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اپنے والد صاحبؒ کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

عیدی اور "واحد نقصان"

عید پر حضرت والاؒ ہم سب بھائیوں کو عیدی بھی عنایت فرماتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد پہلی عید الفطر پر نماز عید کے فوراً بعد احقر کے تینوں بھائی برادر بزرگوار جناب محمد رضی عثمانی صاحب' جناب محمد ولی رازی صاحب' اور برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ عید ملنے کے لئے حضرت کے مکان پہنچے' احقر کو عید کی نماز دارالعلوم کورنگی میں پڑھانی ہوتی ہے اس لئے احقر ساتھ نہ تھا' حضرت والاؒ نے تینوں کو عیدی عنایت فرمائی اور احقر کو پوچھا' میرا عذر بتایا گیا تو آپ نے ایک سفر حج کا واقعہ سنایا کہ:

> "جدہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہم بس میں سوار ہوئے' حسب دستور سب حاجیوں کے پاسپورٹ ڈرائیور

کے پاس جمع کر دیئے گئے تھے' جتنے پاسپورٹ ہوں اتنے ہی حاجی ہونے چاہئیں' مگر ایک حاجی کم تھا' عرب ڈرائیور بار بار پاسپورٹ گنتا' پھر مسافروں کو شمار کرکے اعلان کرتا کہ

"واحد نقصان' واحد نقصان۔"

یہ واقعہ سنا کر آپ نے فرمایا کہ۔

> "بھئی آج ہمیں بھی "واحد نقصان" محسوس ہو رہا ہے' مولوی رفیع کی کمی محسوس ہو رہی ہے' انکی عیدی میں آپ کے ہاتھ بھیج دیتا' مگر جب وہ آئیں گے تو ان کو خود دوں گا' اس طرح ان کو زیادہ خوشی ہوگی۔"

جب ناچیز حاضر ہوا تو یہ واقعہ مجھے بھی سنایا اور عیدی عطا فرمائی۔ عید کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً طرح طرح کے عطیات سے دلداری فرماتے رہتے تھے' قلم اور نفیس عطر بار بار عنایت فرمایا' ایک مرتبہ اپنا ایک گرم کرتہ بھی جو خود پہنے ہوئے تھے' اتار کر عطا فرمایا اس کا ایک بڑا ہی دلنواز واقعہ ہے جسے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔

حضرت والاؒ تہجد کے وقت سے ظہر کی نماز تک بلا وقفہ شدید مصروفیت میں رہتے تھے سہ پہر کو مختصر قیلولہ کے بعد چار بجے سے پھر رات کو سوتے وقت تک مصروفیت کا یہ عالم رہتا کہ ایک منٹ خالی نہ تھا' نظم اوقات کی ایسی پابندی کہ ان کے معمولات کو دیکھ کر گھڑی ملائی جاسکتی تھی اس کے باوجود اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "بھئی آپ کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں' جب موقع ملے آجایا کریں" چنانچہ ہم عصر کی مجلس کے علاوہ بھی جب موقع ملتا حاضر ہوجایا کرتے تھے' شروع میں اچانک جاتے ہوئے تشویش رہتی تھی کہ کہیں

حضرت کو تکلیف نہ ہو، مگر حضرت کو جیسے ہی ہماری اطلاع ملی کتنی ہی مصروفیت ہو باہر تشریف لے آتے اور ہمیں دیکھ کر اتنے خوش ہوتے کہ بس نہال ہی فرما دیتے تھے بار بار فرماتے "آپ کے آ جانے سے اور بھی جی خوش ہوا، ہمیں آپ کے آنے سے بڑی تقویت ہو جاتی ہے" ہمارا جی چاہتا ہے کہ حضرت (تھانویؒ) کا مزاج و مذاق آپ کو اچھی طرح سمجھا دیں۔ آپ کے والد صاحبؒ اس مزاج و مذاق میں ڈوبے ہوئے تھے، والد صاحبؒ کا ذکر فرما کر یہ مصرعہ آپ بکثرت سنایا کرتے تھے کہ۔

میراث پدر خواہی، علم پدر آموز

اور اس کے بعد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف، پند و موعظت اور رموز طریقت کا بیان شروع ہو جاتا، اور اس میں ایسی محبت، سوز و گداز، اور بسا اوقات جوش ہوتا تھا کہ جیسے اب انکو اپنی کوئی اور مصروفیت یاد نہیں رہی، خود ہی فرماتے ہیں۔

ذکر ان کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی
بے خودی کیا چیز ہے، وارفتگی ہوتی ہے کیا

بس یوں محسوس ہوتا تھا کہ جو دولت انہوں نے اپنے شیخ سے حاصل کی ہے کہ وہ ہمیں گھول کر پلا دینا چاہتے ہیں۔ حضرت بار بار فرمایا کرتے تھے کہ "جب حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال ہوا تو تم بھائیوں کو یہ حسرت تھی کہ والد صاحبؒ سے ہم نے کچھ حاصل نہ کیا میں اس حسرت کا مداوا کرنا چاہتا ہوں۔"

خوشی آدھی کردی

ایک شام احقر کسی شادی میں ناظم آباد گیا۔ وہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ بارات آنے میں کم از کم ایک گھنٹہ ہے، سوچا کیوں نہ یہ وقت حضرت کی خدمت میں گزاروں، دولت خانے پر حاضر ہوا اطلاع ملنے پر حضرت مردانہ کمرے میں تشریف لائے تو حسب سابق بہت مسرور و شاداں تھے، اچانک حاضری پر مزید خوشی کا اظہار فرمایا، اور دعائیں دیں، میں سامنے بیٹھ گیا تو خیریت دریافت فرمائی، پھر پوچھا "کیسے آنا ہوگیا؟" میں نے عرض کیا کہ "حضرت ناظم آباد ایک شادی میں آیا تھا، وہاں دیر تھی، سوچا حضرت کی خدمت میں حاضری دے لوں" حضرت والاؒ نے بے ساختہ مسکرا کر فرمایا:-

"بھئی آپ نے ہمیں یہ کیوں بتایا؟ ہم یہ سمجھ کر
خوش ہو رہے تھے کہ ہمارے ہی پاس آئے ہیں، آپ نے یہ
بتا کر ہماری خوشی آدھی کردی ہے"

دارالعلوم کی صدارت

حضرت والد صاحبؒ کے انتقال سے دارالعلوم بھی یتیم ہوگیا تھا، بانی و صدر کا سایہ سر سے اٹھ جانا، دارالعلوم کے لئے بھی اس کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ تھا، لیکن اللہ جل شانہ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت والاؒ کی خصوصی عنایات دارالعلوم پر بھی سایہ فگن ہوگئیں حضرت دارالعلوم کی مجلس منتظمہ کے رکن تو کئی سال پہلے سے تھے، اس حادثہ کے چند ہی روز بعد دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ نے متفقہ طور پر حضرت والا کو دارالعلوم کا قائم مقام صدر بنانا طے کیا، پھر اگلے ہی اجلاس میں مستقل طور پر "صدر دارالعلوم" کا منصب قبول فرمانے کی درخواست کی، ان دونوں

اجلاسوں میں حضرت والاؒ خود بھی شریک تھے۔ اس کبر سنی، ہجوم مشاغل، اور اپنے مکان سے دارالعلوم تک حوصلہ شکن فاصلے کے باوجود یہ حضرت والا کا سراپا ایثار ہی تھا کہ یہ عظیم بھاری ذمہ داری بھی ہم یتیموں کی سرپرستی کے لئے قبول فرمائی۔

وفات تک تقریباً دس سال آپ دارالعلوم کے صدر رہے، یہ دس سالہ دور دارالعلوم کی ظاہری و معنوی ترقیوں کا دور ہے، جن جن سمتوں میں والد ماجدؒ کا منصوبہ اس دارالعلوم کو آگے بڑھانے کا تھا، ان تمام سمتوں میں بحمد اللہ پیش قدمی جاری رہی، بلا مبالغہ حضرت عارفی کے سایہ شفقت نے دارالعلوم کو اس کے عظیم بانی کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ اس دس سالہ دور میں دارالعلوم کا اہتمام احقر سے متعلق رہا۔ مہتمم کو اہتمام کے "ہموم" گھلا دیتے ہیں، کاموں کا بوجھ ضرور مجھ پر تھا، لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے تمام ہموم کا بوجھ حضرت والاؒ نے عظیم کاندھوں پر اٹھالیا ہے۔ جب بھی کوئی الجھن پیش آتی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، اور دعا و مشورہ مل جانے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی حل ہوتی چلی جاتی تھی جیسے کوئی الجھن سرے سے تھی ہی نہیں۔ دارالعلوم سے اس ضابطہ کے تعلق کی بدولت ہم دونوں بھائیوں کا حضرت سے تعلق گوناگوں ہو گیا تھا، جب ہم دارالعلوم کے کسی نازک انتظامی مسئلہ کی پیچیدگی سے پریشان ہو کر صدر دارالعلوم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت بہت اطمینان و سکون سے سب حالات سنتے، اور اپنی تشویش یا تذبذب کا اظہار کئے بغیر کچھ مشورہ، نصیحتیں اور دعائیں دیتے، اور ساری پیچیدگی اور سب پریشانیاں کافور ہو جاتیں۔

حضرت والاؒ دارالعلوم کی انتظامی جزئیات میں کبھی دخل نہ دیتے تھے' لیکن اصولی نگرانی میں اغماض نہ فرماتے تھے' دارالعلوم کے مزاج و مذاق کی حفاظت پر آپکی سب سے زیادہ نظر تھی' اس میں ذرا بھی کوتاہی نظر آتی تو فوراً بلا کر تنہائی میں بڑی شفقت و حکمت سے تنبیہہ فرمادیتے تھے۔

ایک دو بار دارالعلوم کے بعض حضرات کی طرف سے حضرت کی خدمت میں دارالعلوم کے بعض انتظامی امور کی شکایت تحریری طور پر پیش کی گئی۔ لکھنے والے کا نام تحریر نہ تھا' حضرت والا نے مجھے کورنگی سے طلب فرمایا' اور وہ تحریر یہ کہہ کر میرے حوالے فرمادی کہ "اس فکر میں پڑے بغیر کہ یہ کس کی تحریر ہے' اس کا بغور جائزہ لیں' جو امور واقعی اصلاح طلب نظر آئیں' انکی اصلاح کا انتظام کردیں اور اگر سب یا بعض شکایات غلط فہمی پر مبنی ہوں تو انکے متعلق کسی کاوش میں پڑنے کی ضرورت نہیں' مجھے آپ پر اعتماد ہے' اللہ تعالیٰ نصرت عطا فرمائے۔"

ہماری بعض کوتاہیوں پر کبھی کبھی مشفقانہ اظہار ناگواری بھی فرمایا' ایسے مواقع پر یہ ضرور یاد دلایا کرتے تھے

> "دیکھو مولوی رفیع میں اس تعلق محبت کا حق ادا کررہا ہوں جس کا وعدہ تم نے اپنے والد صاحب کی وفات کے دن مجھ سے لیا تھا' میں اس وعدے کو کبھی نہیں بھول سکتا' جب تک زندہ ہوں' یہ حق محبت ادا کرتا رہوں گا۔"

مگر ناراض کبھی نہ ہوتے تھے ایک مرتبہ ہم خدام دارالعلوم سے ایک فیصلہ سرزد ہوا جس کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ دینی مصالح کے لئے مفید ہوگا' اور حضرت والا بھی اس کو ناپسند نہ فرمائیں گے۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ

دارالعلوم کے مزاج و مذاق کے مناسب نہ تھا۔ یہ غلطی حضرت والا کو سخت ناگوار گزری۔ حضرتؒ منتظر رہے کہ ہمیں خود احساس ہوجائے اور تلافی کرلیں، مگر ہمیں بالکل احساس نہ ہوا، یہاں تک کہ حضرتؒ نے پیر کے دن کی مجلس کا سلسلہ بند کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو فکر ہوئی، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ ناراض ہیں، ہم چونکہ حضرت کی خدمت میں جاکر خوب روئے اور اپنی غلطی سے توبہ کی حضرت نے معاف فرمادیا اور فرمایا کہ:

> مجھے آپ دونوں کی سعادتمندی کے پیش نظر اس (ندامت) کا انتظار تھا، تم نے وہ فیصلہ غلط کیا تھا، آئندہ کے لئے سبق مل گیا ہے، بس اپنا دل میلا نہ کرو، مجھ پر آپ دونوں اور دارالعلوم کی بھاری ذمہ داری ہے۔ مولوی رفیع میں تمہاری اس بات کا حق ادا کررہا ہوں جو حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کے دن تم نے کی تھی۔ وہ حق محبت میں ان شاء اللہ ادا کرتا رہوں گا۔ ساری فکریں مجھ پر چھوڑ دو، بے فکر ہوکر اپنے کام میں لگے رہو، ان شاء اللہ فائز المرام رہوگے تمہیں نہیں معلوم میں تمہارے لئے کتنی دعائیں کرتا ہوں، رات کو تم بھائیوں کے گھروں اور دارالعلوم کا حصار کئے بغیر نہیں سوتا۔

یہ آخری بات حضرتؒ نے پہلے بھی کئی بار فرمائی تھی، حضرت کا ایک ایک جملہ محبت و شفقت میں ڈوبا ہوا تھا، نہ صرف یہ کہ سارا غم چند منٹ میں حضرت نے دور فرمادیا، بلکہ ایسے ایسے دلنواز ارشادات فرمائے کہ آج تک انکا لطف یاد آتا ہے، خود ہی فرماتے ہیں کہ

اک طرز التفات کرم ہے جفائے دوست
جی چاہتا ہے روز نیا امتحان رہے

حضرت کے لطف وکرم کے بعد حقاً تو اطمینان ہوگیا تھا حضرت کا لطف وکرم اب اور زیادہ ہی ہوگیا تھا، لیکن دل کو کبھی کبھی یہ وسوسے پریشان کرتے رہے کہ کہیں حضرت کے قلب مبارک کے کسی گوشہ میں اس ناگواری کا کوئی اثر باقی تو نہیں رہ گیا، اس حالت کی اطلاع اور علاج کے لئے احقر نے ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کو یہ عریضہ تحریر کیا، جو حضرت کے جواب کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہوں، اصلاحی خط وکتابت کے سلسلہ میں یہ حضرت کا آخری مکتوب ہے جو احقر کے لئے سرمایہ حیات ہے۔

حضرت کی خدمت میں آخری مکتوب اور اسکا جواب

"مخدوم مکرم، مطاع معظم، سیدی ومرشدی ومولائی"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے حضرت والا کا مزاج گرامی بعافیت ہو، گرمی کی شدت اور حضرت کے ضعف کے باعث دل کو فکر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔ آمین

خصوصاً حضرت مولانا سبحان محمود صاحب سے یہ معلوم ہو کر اور فکر ہوئی کہ حضرت والا اس شدید گرمی اور ضعف میں بھی ماشاء اللہ روزے رکھ رہے ہیں[1] اور مطب میں بھی نا

---

[1] اس وقت حضرت کی عمر اسی برس تھی۔ رفیع

بجے تک مشغولیت رہتی ہے۔

حضرت مؤدبانہ درخواست ہے کہ اتنا تعب برداشت نہ فرمائیں، حضرت والا ہی سے بارہا سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصحاب اعذار کے رخصتوں پر عمل کرنے سے بھی اتنے ہی راضی اور خوش ہوتے ہیں جتنے عزیمت پر عمل کرنے سے، اگر اپنے عذر میں تردد ہو تو کسی قابل اعتماد معالج سے دریافت فرمالیا جائے۔

حضرت دل کے شدید تقاضے سے مجبور ہو کر یہ درخواست پیش کرنے کی جسارت کی ہے، امید ہے کہ حضرت اس گستاخی کو معاف فرمائیں گے۔"

حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

"الحمدللہ اب تک تحمل ہے، دعا کرتے رہیں۔"

آگے احقر نے لکھا تھا کہ:

"شعبان میں تین ہفتے تو سفر میں گزر گئے[1] سفر سے واپسی کے بعد صرف دو مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہو سکی پھر رمضان المبارک شروع ہو گئے، رمضان میں بار بار حاضری کو بہت دل چاہتا ہے لیکن احقر کا حفظ قرآن پختہ نہیں، تراویح سنانے کے لئے دن میں کئی بار پڑھنا اور اپنے سامع کے ساتھ کئی بار مختلف اوقات میں دور کرنا پڑتا ہے، دل و دماغ پر یاد کرنے کی فکر سوار رہتی ہے اس لئے اب تک حاضری کا موقع نہ مل سکا حضرت

---

[1] یعنی سفر عراق و کویت و حرمین شریفین

والا سے دعا کی درخواست ہے۔

حضرت! چند ماہ سے ایک احساس دل میں ہے کہ حضرت کی خدمت میں حاضری کے بعد اس احساس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، ہو سکتا ہے یہ احقر کا وہم ہو لیکن حضرت کی خدمت میں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب سے حضرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تعلق کی دولت سے نوازا، احقر کی مسلسل نالائقی کے باوجود حضرت کی خاص شفقت ہمیشہ دلنوازی و حوصلہ افزائی کرتی رہی اور حضرت والا کی خصوصی توجہ اور عنایات کا دل عادی ہو گیا ہے۔ اس میں ذرا بھی بلکہ ذرہ برابر بھی کمی محسوس ہوتی ہے تو دل ڈوبنے لگتا ہے اور دل کی پوری کائنات تاریک محسوس ہونے لگتی ہے، اب چند ماہ سے احقر کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہے ہو سکتا ہے یہ محض میرا واہمہ ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسکا سبب حضرت کی ناسازی طبع ہو لیکن یہ خوف دل کو بے چین کرتا ہے کہ کہیں یہ اس نالائق و سیاہ کار کی مسلسل غلط کاریاں اور سستی تو رنگ نہیں لا رہی کہیں حضرت والا اس ناکارہ غلام کی اصلاح سے خدانخواستہ مایوس تو نہیں ہو گئے؟

حضرت والا! اس ناکارہ غلام کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس پر دل کو مطمئن کیا جا سکے۔ سوائے حضرت والا سے تعلق و محبت کے حضرت سے تعلق و محبت ہی اس ناکارہ غلام کی سب سے بڑی پونجی ہے اور حضرت کی

شفقت و عنایات اور توجہ ہی سب سے بڑا سرمایہ۔ اللہ تعالیٰ اس سرمایہ عظیم کی حفاظت فرمائے، اس میں اضافہ فرمائے اور ہمیشہ باقی رکھے۔

دل یہ باتیں عرض کرنے کے لئے بے چین تھا، ان میں جو باتیں خلاف ادب ہوں ازراہ کرم معاف فرما کر اصلاح فرما دیں۔ والسلام

حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ

”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خط سے تمہارے قلبی جذبات محسوس ہو کر مجھے خوشی بھی ہے اور تمہارے لئے نیک فال بھی ہے، انشاء اللہ تم کو اس جذبِ محبت کے ثمرات دنیا میں بھی ملیں گے اور آخرت میں بھی اور یہی جذبات انشاء اللہ تمہید ہیں تعلق مع اللہ وحب اللہ کی۔

مطمئن رہو میں تمہارے لئے دل و جان سے تمام دین و دنیا کی فلاح کی دعا کرتا ہوں۔“

تسلیم و رضا، اور رجاء و فنائیت

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم رضا اور رجاء و فنائیت کا ایسا مقام عطا فرمایا تھا کہ احقر نے سخت سے سخت حوادث میں بھی آپ کے چہرے پر پریشانی، غصہ یا گھبراہٹ نہیں دیکھی۔ آپ کے اخلاق و عادات سنت کے حسین سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے آپ اکثر اوقات ہشاش بشاش رہتے تھے،

چہرے پر تبسم رہتا' ہر ایک سے خندہ پیشانی اور محبت کے ساتھ اس طرح ملتے اور اس کو اتنی دعائیں دیتے کہ بس وہ نہال ہی ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت کا ذکر اور استغفار اور زبان پر اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر جاری ہو جاتا غم کے وقت آہستہ آہستہ اناللہ وانا الیہ راجعون کا تکرار فرماتے۔ ناگواری' تعجب اور غصے کے موقع پر آپ کی زبان سے بے اختیار لا الہ الا اللہ کا کلمہ جاری ہو جاتا' ویسے بھی آپ کا تکیہ کلام لا الہ الا اللہ تھا ہر حالت میں راضی برضا رہتے تھے خود ہی فرماتے ہیں۔

منازل بے خودی شوق کے سب ہو چکے پورے
بس اب باقی رہا ہے محو لذات فنا ہونا

لوگ اپنی باطنی بیماریاں جسمانی تکلیفیں' خانگی و کاروباری الجھنیں اور دیگر پریشانیاں حضرت کے سامنے بیان کرتے' آپ انہی بیماریوں اور پریشانیوں کے حال میں سے امید و رجا کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال کر انکے سامنے کر دیتے' ڈھارس بندھاتے' تسلیاں دیتے' اور مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے۔ مایوسی اور پریشانی اپنے پاس آنے نہ دیتے تھے' نہ دوسروں کے پاس' خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

آلام روزگار سے دل آشنا نہیں
ممنون عشق ہوں کہ غم ماسوا نہیں

* * *

پابندی اوقات

زندگی کے تمام کاموں کے لئے صبح سے رات تک کا ایک مستقل نظام الاوقات مقرر تھا جس کی پابندی صحت و بیماری میں اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ انکو دیکھ کر گھڑی ملائی جا سکتی تھی۔ جب تک بیماری کی شدت سے بالکل بے بس نہ ہو جائے معمولات میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔ شدید مجبوری کی حالت میں بھی کوشش یہ رہتی تھی کہ کسی بھی معمول کا بالکلیہ ناغہ نہ ہو۔ اس معمول کی مقدار گھٹا دیتے تھے مگر حتی الامکان ناغہ نہ فرماتے تھے۔ احقر کو بھی کئی بار تلقین فرمائی کہ شدید تکلیف یا کسی اور مجبوری کے باعث اگر ہر تسبیح پوری پڑھنا ممکن نہ ہو تو ہر تسبیح صرف ۳۳ بار یا ۵ بار یا ۲ بار ہی پڑھ لیا کریں۔ ایسا کرنے سے ناغہ شمار نہیں ہوگا اور ناغہ ہی ہو جائے تو اس کی قضا کر لیا کریں۔

ہمت و استقامت

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ تندرست نوجوان بھی اس پر حیرت اور رشک کرتے تھے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً اٹھاسی (۸۸) برس تھی طرح طرح کی جسمانی تکلیفوں کے علاوہ ضعف و نقاہت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی مگر ہمت جوان ہی رہی تہجد کے وقت سے رات کے دس بجے تک تمام اوقات شدید انتہائی مصروفیت میں گزرتے صرف سہ پہر کو ایک گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے۔ زندگی کے آخری تین برسوں

میں رمضان جس شدید گھلا دینے والی گرمی میں آئے، اس نے نہ جانے کراچی کی گرمی کا کتنے سال کا ریکارڈ توڑ دیا، بجلی کی لوڈ شیڈنگ اس پر مستزاد تھی، لیکن حضرت والا کی ہمت میں فرق نہ آیا۔ مطب چھوڑا نہ روزے چھوڑے مطب میں مریضوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا تھا، وہاں پہنچ کر حضرت کو سر اٹھانے کی فرصت نہ ہوتی تھی مگر ہر مریض کی دل داری اور اس پر بھرپور توجہ میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔ حسب سابق عصر کی نماز محلہ کی مسجد میں پڑھ کر مغرب تک وہیں ذکر و دعا میں مشغول رہتے مختصر افطار کرکے مغرب کی نماز اور اوابین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے تھے۔ ہمیں نصیحت کرتے ہوئے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ :

> "میں نے دو گر ایسے سیکھے ہیں کہ ان سے مجھے زندگی کی تمام مشکلات میں آسانی ملی ہے ایک ہمت اور دوسرے پابندی اوقات، ان دو چیزوں سے مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں۔ میں نے زندگی کے ہر مرحلہ میں ان سے کام لیا ہے۔"

ہر ایک سے محبت

آپ جس سے بھی ملتے اسے محبت اور دعاؤں سے نہال فرما دیتے تھے، آپ سے جس کا بھی تعلق تھا وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ حضرت کو مجھ سے خصوصی محبت ہے، حیرت ہوتی تھی کہ اتنی مصروفیت میں ہزاروں اہل محبت کا حق الگ الگ کیسے ادا کرتے ہیں؟ اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت سمائی ہوئی ہو وہ اتنی محبتوں کو اپنے دل میں کیسے جمع کرتا ہے؟ لیکن دیکھا جائے

تو در حقیقت یہ ایک ہی محبت کے بے شمار مظاہر تھے۔ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ جو محبوب حقیقی ہیں' انکی ہر مخلوق سے آپ کو محبت تھی ایک مرتبہ فرمایا کہ:

> "اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو' اور مخلوق خدا سے محبت کرو۔"

زندگی کے آخری سفر لاہور میں آپ نے فارسی کا یہ لطیف شعر بار بار عجیب انداز میں سنایا' جو در حقیقت حضرت والا کی اسی محبت کا ترجمان ہے۔

بینم چوں کسے سوئے تو' گیرم سر راہش
تا ذوق تماشائے تو' دزدم ز نگاہش

انداز تربیت

اصلاح و تربیت کا انداز نہایت آسان' حوصلہ افزا' اور بسا اوقات غیر محسوس ہوتا تھا' آپ کی تعلیم و تربیت' حدیث کے ارشاد یسروا ولا تعسروا (آسانی پیدا کرو۔ مشکل نہ بناؤ) کی دلکش عملی تفسیر تھی۔ آپ کے تمام ارشادات میں رجاء و محبت' اور ترغیب کا پہلو ہی غالب رہتا تھا۔ طالب کو کسی بھی حال میں مشکل محسوس نہ ہونے دیتے تھے۔ اس کا حوصلہ بڑھاتے رہتے تھے۔ آپ کی آسان تعلیم و تربیت کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت کا رسالہ "معمولات یومیہ و مختصر نصاب اصلاح نفس" کا بغور مطالعہ کیا جائے' پوری طریقت کا گویا عطر نکال کر رکھ دیا ہے۔ تمام فضائل کے حصول اور تمام رذائل سے گلوخلاصی کے لئے اس میں چار کر (صبر' شکر' استغفار' استعاذہ) ایسے ارشاد فرمائے ہیں اور انکا ایسا آسان اور زود اثر طریقہ بتلا دیا ہے کہ نہ

کوئی وقت خرچ ہوتا ہے نہ محنت، صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی، اور معمولی توجہ سے مراحل سلوک طے ہوتے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ایک خاص تعلق پیدا ہوتا چلا جاتا ہے جس کا اثر تمام اعمال و اخلاق پر ہوتا ہے۔ آخر زمانے میں یہ شعر آپ بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ۔

سن لو مجھ سے میری باتیں شاید کبھی کام آجائیں
وقت فسانہ بن جائے گا پھر کون کسے یاد آتا ہے

یہ شعر بھی بار بار پڑھا کرتے تھے۔

مجھی سے سن لو جو سننا ہے غم کی داستاں میری
کہاں سے لاؤ گے پھر کوئی دل میرا زباں میری

ایک مرتبہ میں نے اپنی یہ تشویش عرض کی کہ حضرت والد صاحبؒ نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا کہ "میں تمہارے اندر ترفع محسوس کرتا ہوں" آپ نے یہ سنتے ہی مسکرا کر بے ساختہ اور برجستہ فرمایا "پھر آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ آپ نے میرا نام رفیع کیوں رکھا تھا۔"

ایک اور موقع پر میں نے پھر یہی الجھن عرض کی تو فرمایا "حضرت مفتی صاحب بڑے حکیم تھے انہوں نے یہ جملہ فرما کر دل میں خلش پیدا کردی ہے، بس یہی خلش اس کا علاج ہے۔"

متعدد بار احقر نے اپنی اسی قسم کی مختلف الجھنوں کا ذکر کیا تو کبھی تو بہت

لہ اس پورے مضمون میں احقر نے حضرت والا کے جو ارشادات نقل کئے ان میں سے اکثر احقر کے پاس لکھے محفوظ نہیں۔ اپنے حافظے سے لکھے ہیں، رفیع

آسان سا علاج بتادیا' کبھی یہ فرمایا کہ جب احساس پیدا ہوگیا ہے تو یہی احساس اس کا علاج ہے اور کئی بار یہ فرمایا کہ "زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں" کبھی فرمایا کہ "کاوش نہ کی جائے۔"

دارالعلوم میں مجلس منتظمہ کے اجلاسوں' افتتاح بخاری شریف' اور ختم بخاری شریف کے موقع پر آپ پابندی سے تشریف لاتے تھے' ایک مرتبہ ختم بخاری کے بعد دوپہر کا کھانا سب مہمانوں کے ساتھ تناول فرمارہے تھے' احقر پاس بیٹھا تھا' موقع دیکھ کر اپنی ایک بہت دیرینہ خلش حضرتؒ سے یہ عرض کی کہ :

> "میرا مزاج یہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز خریدتا ہوں' معمولی چیز خریدنے پر قادر نہیں ہوتا' اعلی اور نفیس چیز کتنی ہی مہنگی ہو وہی خریدتا ہوں' ورنہ نہیں خریدتا' اسی طرح گھر یا دفتر وغیرہ میں کوئی چیز ٹیڑھی یا غیر متوازن نظر آئے تو جب تک وہ ٹھیک نہ ہوجائے' نظر بار بار وہیں اٹکی رہتی ہے۔"

حضرتؒ نے فرمایا

> "بھئی یہ بیماری ہمیں بھی ہے' دیکھئے یہ جو دسترخوان جہاں آپس میں مل رہے ہیں اگر یہ ذرا آگے پیچھے ہوجائیں تو الجھن ہوتی رہتی ہے۔ کسی کے گھر جائیں اور وہاں فرش وغیرہ کے نقوش یا کوئی چیز غیر متوازن نظر آئے تو آنکھوں میں کھٹکتی رہتی ہے' ہم نے تو اس کا علاج یہ کیا ہے کہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی چیزوں سے قطع نظر کرلیتے ہیں

کیوں خود کو تکلیف میں ڈالیں۔"

حضرت کے ذوق میں نفاست، اور مزاج میں لطافت تھی، تکلف، تصنع اور نمائش سے نفرت تھی۔ سادگی محبوب تھی، استعمال میں جو اشیاء رہتی تھیں ان میں نفاست اور سادگی ہوتی تھی تکلف کا نام و نشان نہ تھا۔

خادم کا منصب

آپ نے کئی بار فرمایا کہ:۔

> "ایک عظیم منصب آپ کو ایسا بتاتا ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا، کوئی اس پر حسد نہیں کر سکتا، کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، وہ منصب خدمت ہے، خادم بن جاؤ، ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لو، ساری خرابیاں "مخدوم" بننے سے پیدا ہوتی ہیں، خادم بننے میں کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا۔ یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبادت سب سے زیادہ محبوب ہے، سید القوم خادمہم یہ منصب سب سے اعلیٰ بھی ہے، اور سب سے زیادہ محفوظ بھی۔"

حضرت والاؒ کے مزاج میں خادمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، مخدومیت کا نام و نشان نہ تھا، ایک دو مرتبہ خود فرمایا کہ:۔

> "بحمداللہ میں نے عمر بھر اپنی اہلیہ سے بھی اپنے کسی ادنیٰ کام کو نہیں کہا۔ کہ "پانی پلا دو یا فلاں چیز اٹھا دو، یہ بھی

> کبھی نہیں کہا ------ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی خوشی
> سے میرے بہت کام کرتی ہیں، اور کبھی سخت سے سخت
> ناگواری کے موقع پر بھی میں نے ان سے لہجہ بدل کر بات
> نہیں کی۔"

بالکل یہی بات حضرت کی خود اہلیہ صاحبہ مدظلہا نے بھی ہمارے گھر والوں سے بیان فرمائی۔ احقر عرض کرتا ہے کہ لوگ بزرگوں کی کرامتیں تلاش کرتے ہیں، مگر اس استقامت کے سامنے کرامت کی کیا حیثیت؟ عارفین کا ارشاد ہے کہ "الاستقامۃ فوق الف الکرامۃ" یعنی استقامت ہزار کرامتوں پر بھاری ہے۔

جس کی بے نفسی کا یہ عالم ہو کہ بیوی سے بھی عمر بھر کسی کام کو نہ کہے، وہ کسی اور سے کیا خدمت لے گا؟ لیکن حضرت والا کی بے نفسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ دل شکنی سے بھی بچتے تھے چنانچہ خاص اہل محبت اگر خدمت کرنا چاہتے تھے تو انکو روکتے بھی نہ تھے۔ سر میں تیل کی مالش، اور پاؤں دبانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے۔ ایسے ہی ایک دو موقع پر اپنا یہ واقعہ سنایا کرتے۔

> "ایک بار میں حضرت مولانا سید میاں اصغر حسینؒ[1]
> صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھا موقع دیکھ کر میں نے آگے

---

[1] دارالعلوم دیوبند کے مشہور محدث، بہت سی مفید کتابوں کے مصنف، حضرت والد ماجدؒ کے استاذ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ اپنے بزرگوں کو احقر نے یہ کہتے سنا ہے کہ وہ "مادر زاد ولی اللہ تھے" بحمداللہ بچپن میں احقر نے بھی بار بار ان کی زیارت کی ہے۔ رفیع

پاؤں دبانے کی اجازت چاہی تو اجازت دے دی، جب میں
پاؤں دبا رہا تھا تو آپ نے مزاحاً فرمایا کہ "ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ تم مخدوم بننا چاہتے ہو۔"

اشارہ اس طرف تھا کہ جو شخص اپنے بڑوں کی عزت و خدمت کرتا ہے، اس کے چھوٹے اس کی عزت و خدمت کرتے ہیں۔

علم کی لذت اور علماء

وفات سے تین ماہ قبل، پیر ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ کی مجلس میں فرمایا کہ:

علم کی صورت کتابوں سے ملتی ہے
علم کی حقیقت عمل سے ملتی ہے

ظاہر بین خشک علماء جو بزرگوں کی صحبت سے استفادہ نہیں کرتے ان کے متعلق آپ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ:۔

علماء میں الا ماشاء اللہ یہ امراض عموماً پائے جاتے ہیں۔

۱۔ تاویل کوشی (یعنی اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف نہ کرنا، اور اسکی تاویل کرنا)
۲۔ جمود (یعنی حق پرستی کی بجائے اپنی رائے پر جمے رہنا)
۳۔ خود بینی و خود رائی (یعنی اپنے کمالات پر ناز، اور خود جو بات سمجھ میں آجائے اس پر مطمئن ہو جانا، دوسروں کے مشورہ کی پرواہ نہ کرنا)
۴۔ حب جاہ (یعنی لوگوں کے دلوں میں اپنی عظمت پیدا ہو جانے کی خواہش)۔

حبِّ جاہ کا ایک علاج

حضرتؒ نے کئی بار فرمایا کہ ناطق کے اس شعر کا استحضار کیا جائے تو یہ حبِّ جاہ کا بہت آسان علاج ہے۔

سرد ہو جاتی ہے حبِّ جاہ دنیا جس کے بعد
اک ذرا سی بات ہے اے دل کہ "پھر کیا اسکے بعد"

اللہ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ..... اور محبت کا مصرف

فرمایا کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دھیان کرو' اور ان پر شکر ادا کرتے رہو

۲۔ اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو' اور ان کے حالات و اشعار اور کتابوں کو پڑھتے رہو

۳۔ زندگی کے سب کاموں میں اتباعِ سنت کا اہتمام کرو

پھر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصرف یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو' اور مخلوقِ خدا سے محبت کرو۔"

مستحبات کا اہتمام

آپ تمام امورِ زندگی میں مندوبات اور مستحبات کا خاص اہتمام فرماتے تھے' فرماتے تھے کہ "فرائض و واجبات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق

ہے' اور مستحبات پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے' مستحبات کو معمولی چیز سمجھ کر ان میں سستی نہ کرنی چاہیے' مثلاً تحیۃ المسجد اور ماثور دعائیں وغیرہ' جب تک ان امور کا اہتمام نہ ہوگا' آپ نہ سالک ہو سکتے نہ صوفی۔"

فرمایا:۔ "اللہ تعالیٰ کے ہم پر دو حق ہیں (۱) عظمت اور (۲) محبت۔ انہی دونوں حقوق کی ادائیگی کا نام عبادت ہے۔"

فرمایا:۔ "بعض لوگ مستحبات کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ فرض و واجب نہیں' میں کہتا ہوں' فرض و واجب نہیں' مستحب تو ہیں۔ تو مستحبات کرنے کے لئے ہوتے ہیں یا چھوڑنے کیلئے؟ یہ آپ سے کس نے کہا کہ مستحبات چھوڑنے کے لئے ہوتے ہیں؟ یہ مستحبات تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہیں۔ دیکھئے یہ لفظ "مستحب" "حب" سے بنا ہے' جس چیز کا مادہ اشتقاق ہی "حب" ہو وہ معمولی چیز کیسے ہو سکتی ہے؟۔"

پاس انفاس

ذکر کا ایک خاص طریقہ صوفیائے کرام میں معروف ہے جسے "پاس انفاس" کہا جاتا ہے' ضیاء القلوب میں بھی اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے' اس میں محنت بہت ہوتی ہے آج کل وہ لوگوں کے لئے مشکل ہے' اسکے متعلق حضرت ڈاکٹر صاحب ؒ نے فرمایا کہ:۔

> "پاس انفاس" کا جو مخصوص طریقہ معروف ہے' ہمارے حضرت (حکیم الامت) فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی بڑا فائدہ نہیں۔ (اس کے بجائے اب آپ کیلئے) "پاس انفاس" یہ ہے کہ اپنے ہر نفس (سانس) کا محاسبہ کریں

(یعنی) صبح سے رات تک تمام حرکات زندگی کا جائزہ لیں، خانگی امور، بیوی بچوں کے ساتھ معاملات، کھانے، نشست برخاست، دفتر اور باہر کے مشاغل میں تامل کریں، کون کون سے کام صحیح نیت سے شریعت کے مطابق ہو رہے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اور کون سے کام شریعت و سنت کے خلاف ہوئے ان پر استغفار کریں سوچیں نفس اور شیطان کہاں کہاں بہکاتے ہیں، فضائل کے محرکات ہوں یا رذائل کے سبب کا دھیان کریں دوسرے ہمارے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں اس پر ہمارے تاثرات و جذبات کیا ہوتے ہیں؟ اور ہم دوسروں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں، وہ کس نیت اور جذبے سے کرتے ہیں؟ دوسروں کے اور اپنے سلوک کا موازنہ کریں، اور ان سے نتائج اخذ کریں، تاکہ اپنے رذائل پر نظر جانے لگے، دوسرے کے تکبر، حسد، کینہ وغیرہ سے آپ نے کیا تاثر لیا؟ اس کو مستحضر کیجئے جو جو تاثرات اپنے نفس کے سامنے آئیں وہ مرشد کو لکھیں دو چار رذائل کی اس طرح اصلاح ہو جائے گی تو انشاء اللہ باقی کی اصلاح کا سلیقہ بھی پیدا ہو جائے گا اور خود راستہ اور علاج سمجھ میں آنے لگے گا۔

چند روزے بعد کی باقی یعنی

صراط مستقیم کی عجیب خصوصیت

حضرت والاؒ نے کئی بار فرمایا کہ:۔

"جب آدمی دنیا کے کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اگر منزل پر پہنچ گیا تو سفر کامیاب سمجھا جاتا ہے' نہ پہنچ سکا مثلاً کراچی سے پشاور کے لئے روانہ ہوا مگر راستہ ہی میں انتقال ہوگیا تو سمجھا جاتا ہے کہ سفر ادھورا رہ گیا۔ مگر صراط مستقیم ایسا عجیب راستہ ہے کہ اس پر آدمی کو جہاں بھی موت آجائے وہیں منزل ہے۔ اسی لئے سورہ فاتحہ میں صراط مستقیم کی دعا سکھائی گئی' اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

"بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست۔"

نفسانی اور شیطانی دھوکہ کا فرق

یہ ارشاد بھی حضرت والاؒ نے بار بار فرمایا کہ:۔

"انسان کو دھوکہ شیطان بھی دیتا ہے اور نفس بھی' مگر دونوں کے طریقہ کار میں فرق ہے شیطان کسی گناہ کی ترغیب اس طرح دیتا ہے کہ اسکی تاویل سجھا جاتا ہے کہ یہ کام کرلو اس میں دنیا کا یا دین کا فلاں فائدہ اور فلاں مصلحت ہے۔ جب کسی گناہ کے لئے تاویل و مصلحت دل میں آئے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے اور نفس گناہ کی ترغیب لذت کی بنیاد پر دیتا ہے' کہتا ہے یہ گناہ کرلو بڑا مزا آئے گا۔ جب کسی گناہ کا خیال لذت حاصل کرنے کے

لے آئے تو سمجھ لو کہ یہ نفس کا دھوکہ ہے شیخ کی ضرورت نفس و شیطان کے دھوکوں ہی سے بچنے کے لئے ہوتی ہے۔"

ایک لحاظ سے نفس و شیطان بھی ہمارے محسن ہیں

یہ بات حضرت والاؒ خوب لطف لے لے کر فرمایا کرتے تھے کہ:۔

> بھئی ہر وقت نفس و شیطان کے پیچھے نہ پڑے رہا کرو، ایک لحاظ سے دیکھو تو یہ بھی ہمارے محسن ہیں، اگر وساوس نہ ہوتے تو ہمارے درجات میں کیسے ترقی ہوتی، دیکھو یہ ہمیں گناہوں کی ترغیب دیتے ہیں مگر ہم عزم کر کے گناہ سے بچ جاتے ہیں، تو ترک گناہ کا ثواب ہمارے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور اگر خدا نخواستہ گناہ سرزد ہو ہی گیا تو ہم کو فوراً ندامت ہوتی ہے توبہ استغفار کرتے ہیں، اپنی عاجزی اور نالائقی کا احساس پیدا ہوتا ہے، تقویٰ و پرہیزگاری کا گھمنڈ ختم ہوجاتا ہے، دل میں شکستگی اور تواضع پیدا ہوتی ہے، یہی عبدیت ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ تو دیکھو نفس و شیطان تو ہمارے لئے بلندیٔ درجات، اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بن جاتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ آدمی ان کی حیلہ سازیوں سے غافل نہ رہے۔

سفر

حضرت والا سفر بہت کم فرماتے تھے، کراچی سے حج و عمرہ کے سفر کے علاوہ ایک سفر سکھر کا احقر کے علم میں ہے جو حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب کی عیادت کے لئے فرمایا تھا، اس سفر میں حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ کے علاوہ ہمارے عزیز دوست جناب محمد کلیم صاحب بھی ساتھ تھے، جو ماشاء اللہ ہمارے حضرتؒ کے خلیفہ مجاز ہیں، انہوں نے ایک بار اس سفر کی بعض پر لطف باتیں سنائی تھیں کاش وہ ان کو قلم بند فرما دیں تو انشاء اللہ سب کے لئے دلنواز اور بصیرت افروز ہوں گی۔

تین چار مرتبہ لاہور کا سفر "مجلس صیانۃ المسلمین" کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے فرمایا۔ لاہور کے ان تمام سفروں میں حضرت حاجی ظفر احمد تھانوی صاحبؒ ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک سفر میں بحمد اللہ احقر کو اور برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ کو بھی شرف ہم رکابی نصیب ہوا۔ حضرت والاؒ جہاز کے وقت سے کافی پہلے ائرپورٹ پہنچے ہم دونوں بھائی وہاں پہلے سے منتظر تھے، گاڑی ہی میں سے ہم پر نظر پڑی تو چہرہ مبارک پر دل آویز تبسم بکھر گیا۔ حضرتؒ کے ساتھ سفر بڑا پر لطف ہوتا تھا ایسے مواقع میں حضرت عموماً تفریح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور انہی تفریح کی باتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بڑے دلکش انداز میں فرمایا کرتے تھے۔ جہاز میں بیٹھنے، اور جہاز کے چلنے کے وقت مسنون دعائیں پڑھیں، اور جب جہاز فضاء میں بلند ہونے لگا تو چند منٹ کھڑکی سے شہر کا نظارہ فرماتے رہے، جب یہ نظارہ اوجھل ہو گیا اور جہاز فضا میں خوب بلند ہو گیا تو فرمایا کہ:۔

> "اس وقت بھی کچھ ذکر کرلینا چاہیے، اس فضاء
> میں بھی اللہ کو یاد اور ان کے ذکر کے کچھ نشانات
> چھوڑ دینے چاہئیں شاید کسی وقت یہ فضائیں بھی اللہ تعالیٰ
> کے سامنے گواہی دیں۔"

کچھ دیر ذکر میں مشغول رہنے کے بعد چند منٹ خاموشی رہی، پھر پر لطف گفتگو شروع فرمادی۔

اس سفر کے علاوہ تین اور سفروں میں بھی احقر کو بحمداللہ حضرت کی کفش برداری کی سعادت نصیب ہوئی، دو بار پنڈی کے سفر میں ایک بار لاہور کے سفر میں۔ یہ تینوں سفر پاکستان کی ایک اہم شخصیت کی نجی دعوت پر ہوئے تھے، پنڈی کے پہلے سفر میں برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی بھی ساتھ تھے، اس موقع پر معزز میزبان نے حضرت کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا تھا کہ:

> "میرا نکاح حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے
> پڑھایا تھا، میرے چھوٹے بھائی کا نکاح حضرت مولانا مفتی
> محمد شفیع صاحبؒ نے پڑھایا تھا۔ میرے گھرانے کے فلاں
> شخص کا نکاح حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ نے پڑھایا
> تھا۔ یہ تینوں بزرگ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلفاء
> ہیں اب میری بیٹی کا نکاح ہے، اور میری خواہش ہے کہ
> اس کا نکاح آپ پڑھادیں۔"

حوالہ مرشد تھانوی کی نسبت کا آگیا تھا، حضرت والاؒ نے قبول فرمالیا، اور ہم دونوں بھائیوں کو چلنے کا حکم دیا، سردی کا موسم تھا، کراچی سے سہ پہر کو روانگی ہوئی، اور اگلے دن سہ پہری کو کراچی واپس تشریف لے آئے۔

زندگی کے آخری دو سفر

انثی صاحب کی عقیدت مندانہ دعوت پر دوسرا سفر پنڈی کا، اور تیسرا سفر لاہور کا ہوا، ان دونوں سفروں میں حضرت والاؒ کے دونوں پوتے عزیزم انس سلمہٗ، اور عزیزم حارث سلمہٗ ساتھ تھے، حضرت نے احقر کو بھی ساتھ چلنے کا حکم فرمایا۔ منگل ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ (۱۷ دسمبر ۱۹۸۵ء) کی سہ پہر کو بذریعہ جہاز راولپنڈی کے لئے روانگی ہوئی، وہاں اگلے روز آپ نے میزبان کی بیٹی کا نکاح پڑھایا اور اس سے اگلے روز یعنی ۱۹ دسمبر جمعرات کو ظہر کے وقت کراچی واپس تشریف لے آئے۔ پھر اگلے منگل یعنی ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ (۲۴ دسمبر ۱۹۸۵ء) کو کراچی سے لاہور تشریف لے گئے، جہاں انثی صاحب کے صاحبزادے کا نکاح پڑھایا، اور اس سے اگلے روز یعنی ۲۶ دسمبر جمعرات کی سہ پہر کو کراچی واپس تشریف لے آئے۔ حضرت کی زندگی کا یہ آخری سفر تھا، جو وفات سے صرف تین ماہ قبل ہوا۔

پنڈی اور لاہور کے ان سفروں میں عبرت و موعظت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور آپ کے خاص انداز نصیحت و تربیت کی جو مثالیں سامنے آئیں، وہ ایک مستقل درس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کے لئے ایک مستقل ہی مضمون کی ضرورت ہے۔ حضرت کی بھی خواہش تھی کہ ان تینوں سفروں کے روئداد قلمبند کر کے محفوظ کر لی جائے مگر ابھی شائع نہ کی جائے۔ اس کی کچھ یادداشتیں احقر کے پاس درج ہیں، کچھ حافظے ہی میں ہیں، اور کچھ باتیں عزیزم حارث سلمہٗ کے پاس کیسٹ میں محفوظ ہیں۔ یہ سبق آموز تفصیلات بھی ایک اہم امانت ہیں، اللہ تعالیٰ مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سفرِ آخرت کی تیاری

یوں تو حضرت والاؒ کی پوری زندگی سفرِ آخرت ہی کی تیاری کا عمل پیہم تھی، لیکن ہمارے سامنے اپنی موت کا ذکر صراحت سے نہیں فرماتے تھے۔ جب سے نقاہت زیادہ ہو گئی تھی اس وقت سے البتہ اشارۃً "کنایہ" اس طرف بھی توجہ دلاتے رہتے تھے، چند ماہ سے تو تقریباً ہر ملاقات میں کسی نہ کسی انداز سے اس کا اظہار فرمانے لگے تھے۔ اور اب تو وہ خاموشی سے بالکل آخری تیاریوں میں لگے ہوئے تھے، وصیت نامے کو بھی آخری شکل دے رہے تھے۔ جب کسی معاملے میں ذرا بھی تردد ہوتا تو اہلِ فتویٰ علماء سے تحقیق کے بغیر عمل نہ فرماتے تھے۔ وفات سے تقریباً تین ماہ قبل احقر کو تنہائی میں اپنی کچھ قلمی یادداشتیں سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "عرصہ دراز سے میں وصیت نامے کے سلسلے میں یادداشتیں لکھتا رہا ہوں، جو میری املاک وغیرہ سے متعلق ہیں، تم انکا شرعی نقطہ نظر سے بغور جائزہ لیکر انکو اس طرح مرتب اور مکمل کردو کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ رہ جائے اور کسی بات میں ایسا اجمال نہ رہ جائے جو میرے بعد وارثوں کے لئے کسی الجھن کا باعث ہو۔"

یہ حضرت کا کرم بالائے کرم تھا کہ احقر کو اس ذاتی خدمت پر مامور فرما کر اظہارِ محبت فرمایا۔ لیکن وہ وصیت نامہ احقر نے کس قلبی کشمکش، اور کیسے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا، اس کیفیت کی یاد آج بھی دل میں تازہ ہے۔

عارفی کچھ احتیاط ضبط غم کی حد بھی ہے
خود چھلکے جاتے ہیں اب تو اپنے سوزِ دل سے ہم

جب وصیت نامے کا مسودہ تیار کرکے خدمت میں پیش کیا تو حضرت پڑھ کر بہت مسرور و مطمئن ہوئے، اور حسب عادت دعائیں دیں۔ لیکن میرا سہما سہما دل گویا حضرت کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اے کاش کہ تھم جائے یہ گردشِ دوراں
کچھ ٹھہر جائیں یہ شام و سحر اور

وفات سے پونے دو ماہ قبل کی ایک مجلس

حضرتؒ کے ارشادات بروقت قلمبند کرنے کا احقر کو شاذ و نادر ہی موقع ملا۔ کبھی کبھی مختلف پرچوں پر مختصر یادداشتیں نوٹ کرلیا کرتا تھا۔ وہ پرچے احقر کے پاس محفوظ ہیں، اس مضمون میں حضرتؒ کے جو ارشادات احقر نے نقل کئے ہیں، ان میں جگہ جگہ ان پرچوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ آخر میں ایک کاپی اسی کام کے لئے بنائی تھی۔ مگر اس میں صرف تین چار ہی مجالس کی خاص خاص باتیں نوٹ کرنے کی نوبت آئی تھی کہ حضرت والاؒ ہم سے رخصت ہی ہوگئے انا للہ و انا الیہ راجعون ان مجالس کی بعض باتیں یہاں نقل کرتا ہوں۔

وفات سے پونے دو ماہ قبل یہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کی مجلس شروع ہوئی تو چہرے پر ضعف و اضمحلال کے آثار بہت تھے، فرمانے لگے:۔

بے ثباتی کا استحضار طبیعت میں زیادہ ہونے لگا ہے۔

جو وقت بھی سکون سے گزرے رہے
نصیب
کیا اعتبار گردش لیل و نہار کا۔"

پھر فرمایا:۔

> "ہم نے انگریزی، اردو اور فارسی کی بہت کتابیں پڑھیں، نہ جانے کتنے موضوعات اور علوم کی کتابیں پڑھ ڈالیں، مگر ایک موضوع پر کوئی کتاب نہ پڑھی، اور وہ ہے برزخ۔"

اس کے بعد شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت سوانح کے حوالے سے انکا ایک عجیب و غریب واقعہ سنایا، جو برزخ ہی سے متعلق ہے، اور آخر میں فرمایا کہ:۔

> "انہوں نے (شاہ بو علی قلندرؒ) نے حساب کر کے لکھا ہے کہ برزخ کے چار منٹ دنیا کے دو سو سال کے برابر ہوتے ہیں۔"

پھر آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حجام، اور حضرت صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پیران کلیر) کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا، اس کا تعلق بھی برزخ سے تھا۔ اسی مجلس میں یہ واقعہ سنایا کہ حضرت (تھانویؒ) کو ایک صاحب نے لکھا کہ:۔

> "حضرت سے اتنے عرصے سے تعلق ہے، مگر میں دنیا اور بیوی بچوں کے کاموں میں اتنا پھنسا رہتا ہوں کہ کچھ

حاصل نہ کر سکا۔ اب آخر وقت ہے' مجھے توکل تو ہے ہی نہیں' دعا بھی صرف بیوی بچوں کے لئے مانگتا ہوں" خسر الدنیا والاخرۃ"

حضرت (تھانویؒ) نے جواب لکھا کہ۔

"تم نے جو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی' یہ خود علامت ہے توکل کی۔ اور تم جو کہتے ہو کہ اب آخرت میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا' تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجر کبیر۔ (بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے)...... اور بیوی بچوں کے کاموں میں اشتغال تو جہاد اکبر ہے۔"

پیر کی آخری مجلس

پیر کی سب سے آخری مجلس' جو ۵ رجب ۱۳۰۶ھ (۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء) کو ہوئی' اس میں حضرتؒ کی طبیعت پر اضمحلال بہت تھا' آپ نے بے ساختہ فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

گاہ آہم می رباید' گاہ اشکم می برد
نقد من یک مشت خاک و ایں چنیں سیلابہا

مگر فوراً ہی فرمایا

"حضرت (حکیم الامتؒ) نے فرمایا "میں گھر سے

خانقاہ آ رہا تھا، راستہ میں اپنی کوتاہیوں کو یاد کرتا جا رہا تھا کہ ایسا معلوم ہوا کہ مجھ سے فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو ہم نے تم کو فلاں صلاحیت عطا فرمائی، فلاں فلاں احسانات کیے، فلاں فلاں کام کرائے...... بس اللہ تعالیٰ کے انعامات ہی یاد آتے رہے۔"

پھر فرمایا کہ اس شعر کا استحضار کرتے رہنا چاہیے۔

سرد ہو جاتی ہے حبِ جاہِ دنیا جس کے بعد
ایک ذرا سی بات ہے اے دل کہ "پھر کیا اسکے بعد"

اس کے بعد فرمایا کہ

"اپنی کوتاہیوں پر ضرور نظر کرنی چاہیے، مگر اس میں اتنا احساس بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن امورِ صالحہ کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائی ان کا کفرانِ نعمت ہونے لگے۔

عارفی پیرِ مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی سربسر اعجاز ہو کر رہ گئی

پھر آپ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

آنکھوں سے میں نے بھر لیا سب دل میں عارفی
ساقی کی چشمِ مست میں جتنا خمار تھا

* * *

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آ جائے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے مے خانہ

حضرت والاؒ یہ مصرعہ آخر حیات میں بار بار سنایا کرتے تھے، آج بھی پڑھا کہ
"کریں گے یاد مجھ کو مدتوں یاران مے خانہ"

پھر فرمایا کہ

تشنگی اور چیز ہے اور ناکارگی کا احساس اور چیز ہے، تشنگی اچھی چیز ہے، احساس ناکارگی خطرناک ہے گناہوں کا ارتکاب خطرناک ہے، اعمال صالحہ میں کمی کا اور کوتاہی کا احساس پسندیدہ ہے۔ یہ احساس کہ بن نہیں پڑتا یہ تشنگی ہے، یہ تکمیل کی طلب ہے، تکمیل کسی کی نہیں ہوئی۔

تری شان بے نیازی کا مقام کس نے پایا
مری سجدہ گاہ حیرت ترا حسن آستانہ

* * *

آب کم جو، تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

عاشقی نام ہے تسلیم و وفاداری کا"

دار العلوم کا رواں تعلیمی سال اختتام پذیر تھا، اسی مجلس کے آخر میں حضرت والاؒ کے مشورے سے طے ہوا کہ دار العلوم (کورنگی) میں ختم بخاری شریف، آنے والے اتوار (۱۱ رجب) کو سہ پہر تین بجے رکھا جائے، حضرت

نے بھی شرکت کا وعدہ فرما لیا، اور یہ کہ حضرت ۱۲ بجے دوپہر کو دارالعلوم تشریف لے آئیں گے، اور حسب معمول وہیں کھانا کھا کر ظہر سے قبل آرام فرمائیں گے۔

زندگی کی آخری تکلیف

طے شدہ نظم کے مطابق اتوار ۱۱ رجب ۱۴۰۶ھ (۲۳ مارچ ۱۹۸۶ء) کو دارالعلوم کے اساتذہ کرام اور طلبہ، حضرت والاؒ کی تشریف آوری کی خوشیاں منا رہے تھے، صبح ہی سے ہر شخص اس کوشش میں تھا کہ حضرت کی تشریف آوری سے قبل اپنے سب کاموں سے فارغ ہو جائے تاکہ حضرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہ سکے اور انکے ارشادات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے۔ لیکن کاتب تقدیر نے جو فیصلہ ازل میں کر لیا تھا اسکی کسی کو خبر نہ تھی وہاں حضرت کو آج تہجد کے وقت ہی سے پیٹ کی جان لیوا تکلیف شروع ہو چکی تھی، مگر اٹھاسی سال کے سن میں ہمت اب بھی جوان تھی، اسی شدید تکلیف میں آپ تہجد، فجر کی نماز، اور صبح کے تمام معمولات پورے کر کے ناشتہ کئے بغیر وقت مقررہ پر مطب تشریف لے گئے۔ دوا استعمال فرماتے رہے، مگر مریضوں کا علاج بھی اسی تن دہی سے جاری رہا۔ پھر طے شدہ وقت کے مطابق ہمارے محترم دوست جناب ممتاز محمد بیگ صاحب کے ہمراہ وہاں سے دارالعلوم (کورنگی) بھی ٹھیک بارہ بجے پہنچ گئے۔

گاڑی سے اترے تو سفید براق کپڑے اور ہلکے بادامی رنگ کی صدری زیب تن کئے ہوئے تھے۔ بدن سے حسب سابق عطر کی ہلکی ہلکی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ چہرے پر حسب عادت تبسم تھا۔ لیکن تکلیف کی شدت سے پیٹ

پر ہاتھ رکھے ہوئے، قدرے جھک کر چل رہے تھے چہرے کی رنگت سفید پڑ گئی تھی اور آنکھوں میں نقاہت نمایاں تھی۔ احقر کے دفتر میں داخل ہوتے ہی در و دیوار پر نظر پڑی تو فرمایا کہ "ماشاء اللہ اب یہ دفتر بہت اچھا ہو گیا ہے، بھئی ہمارے پیٹ میں صبح سے بہت تکلیف ہے، طاقت و توانائی بالکل نہ تھی، مگر ختم بخاری کی سعادت سے محرومی کو دل نہ مانا" بیٹھتے ہی دریافت فرمایا کہ "مولوی تقی سفر سے کب آئیں گے؟"

وہ بیرون ملک سفر میں تھے، میں نے عرض کیا کہ "انشاء اللہ بدھ تک آ جائیں گے" آپ حسب معمول باتیں کرنا چاہتے تھے، گفتگو شروع بھی فرماتے تھے مگر ہاتھ بار بار پیٹ پر جاتا، اور فرماتے "بھئی یہ عجیب قسم کی تکلیف ہے۔" حضرتؒ کے معدے میں شدید تکلیف تھی، جس کی لہریں بار بار اٹھتی تھیں، حضرت کے لئے بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ "حضرت تھوڑی دیر آرام فرما لیں" لیکن حضرتؒ نے ٹال دیا مجھے معلوم تھا کہ حضرت قیلولہ کے وقت سے قبل ہرگز نہ لیٹیں گے، خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے قسطوں میں لیٹنے کی عادت نہیں" لیکن تکلیف حد سے بڑھتی دیکھی تو ہم سب کے اصرار پر آرام فرمانے کے لئے تیار ہو گئے، کھانا کھانے سے انکار پہلے ہی فرما چکے تھے، اور قیلولہ کا وقت بھی ہو ہی گیا تھا۔ احقر کے غریب خانے پر تشریف لائے اور مردانہ کمرے میں لیٹ گئے، کسی کروٹ چین نہ تھا۔ ہر ممکن تدبیر و علاج کے باوجود تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ "تم جا کر مہمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ" میں نے عرض کیا کہ "مہمانوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے ابھی حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مدظلہم تشریف لے گئے ہیں، اور مجھے حضرت والا کے پاس چھوڑ گئے

ہیں۔ اب وہاں میرا جانا ضروری نہیں، میں حضرت ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔" خاموش ہو گئے۔ پھر نماز ظہر کے وقت فرمایا کہ "تم نماز مسجد میں پڑھ آؤ" میں نے عرض کیا کہ "حضرت آپ ہی کے ساتھ پڑھ لوں گا۔" اجازت دے دی، پھر ظہر کی نماز باجماعت کھڑے ہو کر ادا کی، سنتیں و نوافل، اور نماز کے بعد کے تمام معمولات پورے فرما کر لیٹ گئے۔ دارالعلوم کے مدرس، عزیزم مولوی راحت علی سلمہ، اور جناب ممتاز صاحب جوئیلر بھی حضرت کی خدمت میں رہے۔ پیٹ پر تیل کی مالش کروائی مگر تکلیف اور بڑھ گئی تھی، ختم بخاری کا وقت پوچھا، احقر نے عرض کیا کہ تین بجے کا وقت طے ہے، لیکن وقت میں ردّوبدل آسانی سے ہو سکتا ہے" حضرت والاؒ نے ردّوبدل سے منع فرمادیا۔ جب تین بجے تک بھی تکلیف میں اضافے کا یہی عالم رہا تو فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے ختم بخاری میں شرکت نہ ہو سکے گی" پھر فرمایا "اب ہمیں گھر واپس جانا چاہئے کبھی واپسی کی بھی قدرت نہ رہے، گھر والے پریشان ہوں گے۔" اس عرصے میں جناب حافظ شفیق الرحمٰن صاحب، محترم نیری صاحب، اور حضرتؒ کے بہت سے پروانے شہر سے یہاں پہنچ چکے تھے، سب کے ساتھ گاڑیاں تھیں، اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت کو اپنی گاڑی میں لے جائے، لیکن حضرت والاؒ نے سب سے فرمادیا کہ "آپ حضرات ختم بخاری میں شریک ہوں، میں انوار کی گاڑی میں چلا جاؤں گا۔"

غرض آپ عزیزم انوار صاحب کی گاڑی میں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ کیا خبر تھی کہ اب دارالعلوم میں آپ کی واپسی، یہاں کے قبرستان میں دائمی آرام ہی کے لئے ہوگی۔ حضرت کے معدے میں درد ضرور تھا، مگر معدے کی تکلیف حضرت والا کو پہلے بھی ہو جایا کرتی تھی، اس لئے

شروع میں اسکی سنگینی کا اندازہ نہ ہوا۔ تکلیف کی اس شدت میں ۲۴ گھنٹے سے زائد عرصے تک حضرت کوئی غذا لے سکے نہ کوئی مشروب' طبیعت کسی چیز کو قبول نہ کرتی تھی جس سے گردوں کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی اور پیشاب بند ہو گیا۔ پیر کو عصر کے وقت در دولت پر حاضر ہوا تو لوگ حسب معمول مجلس کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مگر حضرت والا سخت تکلیف کے سبب باہر تشریف نہ لا سکے تھے۔

دیکھ کر یہ رنگ عالم دم بخود ہوں عارفی
جانے یہ کیا ہو رہا ہے' جانے کیا ہونے کو ہے

ہم سب کی رائے تھی کہ اس تکلیف میں حضرت والا کو کسی کے آنے کے اطلاع نہ دی جائے۔ لیکن حضرت کے چھوٹے صاحبزادے جناب مستحسن صاحب نے ازراہ محبت احقر کی آمد کی اطلاع کر دی' اور حضرت نے فوراً یاد فرما لیا۔

پاتا ہوں عجب کیفیت جذب محبت
اے محویت دل یہ مجھے کس نے کیا یاد

(حضرت عارفی)

حضرت والا کا چہرہ جس پر ہمیشہ تبسم ہی دیکھا تھا' تکلیف اور نقاہت کی شدت سے گویا ست گیا تھا' احقر کو دیکھتے ہی سلام و دعا کے بعد کرب آمیز لہجہ میں فرمایا "مولوی رفیع یہ دو دن ہم پر بڑی تکلیف کے گذرے ہیں" میں نے اس خیال سے کہ حضرت کو بولنا نہ پڑے عرض کیا "حضرت مجھے سب تفصیل معلوم ہے' حضرت کو بہت تکلیف ہے' لیکن انشاء اللہ تشویش کی بات نہیں'

جلد آرام ہو جائے گا" فرمایا "کچھ پڑھ کر میرے اوپر دم کر دو" احقر نے تعمیل کی۔ اسکے بعد رات گئے تک مختلف ڈاکٹروں نے معائنہ کیا، ٹیسٹ وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا، صاحبزادگان کے مشورے سے محترم جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کو حضرت کے علاج اور تیمارداری کا نگران مقرر کیا گیا۔

ایسے میں کس کا دل مانتا تھا کہ گھر واپس جائے، لیکن اہل محبت کا ہجوم تھا جس سے علاج و تیمارداری میں رکاوٹ پیش آ رہی تھی، اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ ہم سب واپس چلے جائیں۔ اس کے بغیر ہجوم چھٹنے کا امکان نہ تھا، اس لئے بادل ناخواستہ رات گیارہ بجے کے بعد واپس جانا پڑا۔

ہم ہوئے واپس، وائے ناکامی شوق
رہ گئی اس بزم ہی میں دل کی حسرت دل کے ساتھ

(حضرت عارفیؒ)

منگل کو پیٹ کی تکلیف تو تقریباً رفع ہو گئی، لیکن گردوں کا عمل تشویشناک حد تک رک گیا تھا۔ احقر حاضر ہوا تو دواؤں کے اثر سے حضرت والا غنودگی کی سی حالت میں تھے، ایک ضعیف سی نظر احقر پر ڈالی اور پوچھا "مولوی رفیع ہیں؟" میں نے فوراً عرض کیا "جی حضرت! رفیع ہے، حضرت کے لئے ہم سب بہت دعائیں کر رہے ہیں" پھر "اچھا بھئی" کہہ کر آنکھیں بند فرمالیں۔ جیسے زبان حال سے اپنا یہ شعر فرما رہے ہوں۔

یہ بھی ہے اک مظہر حسن خیال دوست
جس حال میں ہوں رہنے بھی دیں چارہ گر مجھے

بدھ کی صبح حضرت والا کو ناظم آباد ۲ کے "المرتضیٰ ہسپتال" میں

داخل کرنا پڑا' جہاں پہنچ کر حالت میں قدرے بہتری کی صورت نظر آنے لگی۔ اہل محبت کمرے کی کھڑکی ہی سے حضرت کی زیارت کرتے تھے۔ رات کو کوئی ہسپتال سے واپس جانے کو تیار نہ تھا۔

مجھ کو رہنے دو یونہی محوتماشائے جمال
نہیں ہوتی جو مرے شوق کی سیری نہ سہی

(حضرت عارفیؒ)

لیکن معالجین نے اطمینان دلایا' اور بتایا کہ اب حالت بہتر اور امید افزا ہے' رات میں مزید بہتری کی امید ہے' اب آپ حضرات کو واپس چلا جانا چاہئے۔ چنانچہ رات کو حضرت والاؒ کے پاس آپ کے چھوٹے پوتے عزیزم عارف سلمہ حضرت کے چچا زاد بھائی کے صاحبزادے' اور جناب ممتاز صاحب (جونیئر) رہے۔ میں بھی کمرے میں قریب جا کر حضرت پر آخری بار دم کر کے گیارہ بجے کے بعد واپس آگیا۔

لے چلے سب تری محفل سے مرادیں دل کی
ہم بھی اک حسرت ناکام لئے جاتے ہیں

(حضرت عارفیؒ)

اس وقت حضرت والاؒ سو چکے تھے۔ محترم ڈاکٹر حافظ محمد الیاس صاحب نصف شب کے بعد تک وہیں رہے' اور جب حالت مزید بہتر محسوس کی تو وہ بھی گھر چلے گئے۔ کیا خبر تھی اب حضرت والا بزبان حال وہی فرما رہے ہیں کہ کبھی بزبان شعر فرمایا تھا کہ۔

آڑ وقت نزع' اب کیا کام مشکل رہ گیا
اور اک دم بھر کا باقی قصہ دل رہ گیا

نوحہ غم بے صدا ہیں نغمہ شادی خموش
اب یہ ساز زندگی عبرت کے قابل رہ گیا

عزیزم دوست جناب محمد کلیم صاحب کا گھر اس ہسپتال کے بالکل قریب تھا، طے ہوا کہ وہ نماز فجر کے فوراً بعد ہسپتال پہنچ کر حضرت کی خدمت میں رہیں گے، ان سے احقر نے وعدہ لے لیا تھا کہ صبح ہسپتال پہنچتے ہی وہ احقر کو فون پر حضرت کے حال کی اطلاع دیں گے۔ رات امید وبیم کی حالت میں گزری۔

جس منزل دشوار پہ اب دل کا گزر ہے
اک ایک قدم پہ وہاں آتا ہے خدا یاد

حضرت عارفیؒ

* * *

صبح کو جمعرات تھی، رجب ۱۴۰۶ھ کی ۱۵ اور مارچ ۱۹۸۶ء کی ۲۷ تاریخ، نماز فجر کے فوراً بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی...... دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو کلیم صاحب نے رندھی ہوئی آواز میں وہ المناک خبر سنا دی، جس کا دھڑکا کئی مہینے سے لگا ہوا تھا..... ہم دوبارہ یتیم ہو گئے..... حضرت والاؒ ٹھیک اذان فجر کے وقت، اذان کا جواب دیتے ہوئے اس دار فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صبح گیارہ بجے کے قریب حضرت والاؒ کو جناب کلیم صاحب اور ان کے ایک ساتھی غسل دے رہے تھے، حضرت کے خادم خاص جناب احمد حسین صاحب غسل کا سامان اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے، احقر حضرت والاؒ کی کتاب

"احکام میت" کھولے اس میں لکھی ہوئی ہدایات کلیم صاحب کو بتا رہا تھا، تاکہ کوئی بات حضرت کی ہدایات کے خلاف نہ ہو جائے۔ برادر عزیز مولانا محمد تقی صاحب سلمہ احقر کے ساتھ تھے۔ برادران مکرمان جناب بھائی حسن عباس صاحب بھائی احسن عباس صاحب، اور بھائی مستحسن صاحب وہ تبرکات نکال نکال کر ہمارے حوالے کر رہے تھے، جو حضرت نے اپنے کفن کے لئے جمع کئے تھے۔

جنازہ تقریباً ساڑھے تین بجے دارالعلوم (کورنگی) پہنچا، خلق خدا پروانہ وار ٹوٹی پڑتی تھی، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد یہ دارالعلوم میں سب سے بڑا مجمع تھا۔ جنازے کی چارپائی میں لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے، تاکہ زیادہ سے زیادہ اہل محبت کاندھا دینے کی حسرت پوری کر سکیں، جنازہ آدمیوں کے سمندر میں تیرتا ہوا معلوم ہوتا تھا، علماء و طلبہ کا بھی عظیم اجتماع تھا۔

برادر عزیز مولانا محمد تقی صاحب سلمہ نے تقریباً ساڑھے چار بجے دارالعلوم کے اسی میدان میں نماز جنازہ پڑھائی جس میں پورے دس سال قبل حضرت والاؒ نے ہمارے والد ماجدؒ کی نماز پڑھائی تھی۔ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے پنڈی، لاہور، سکھر، حیدرآباد، اور نہ جانے کتنے شہروں سے لوگ آئے تھے، صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب بھی پنڈی سے خاص اسی مقصد کے لئے عین وقت پر ایئرپورٹ سے سیدھے دارالعلوم پہنچے تھے۔ گورنر سندھ، اور اعلیٰ شہری حکام نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ دارالعلوم کے قبرستان میں حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ جانے حضرت والاؒ

نے یہ شعر کس کے بارے میں فرمایا تھا:

نیرنگ حسن و عشق کی وہ آخری بہار
تربت تھی میری اور کوئی اشک بار تھا

مگر میرے پاس اس سوال کا ایک جواب ہے، اور وہ یہ کہ حضرت کا یہ ارشاد انشاء اللہ اپنے ان تمام اہل محبت سے متعلق ہے جو مزار پر آکر ایصال ثواب کے ذریعے حق محبت ادا کریں گے۔ کیونکہ زندگی میں بھی حضرت والاؒ اپنے پاس آنے والوں سے بہت ہی خوش ہوا کرتے تھے، اور حضرتؒ ہی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔

مجھے حق محبت کی بس اتنی ہی تمنا ہے
دعاء خیر کر لینا جو مری یاد آ جائے

احقر نے یہ صفحات ایسے عالم میں سپرد قلم کئے ہیں کہ جذبات کا نہ الفاظ ساتھ دے سکے نہ قوت گویائی، بس حضرت والا کے اشعار ہی قدم قدم پر میرے جذبات کی ترجمانی کرتے رہے۔

کچھ یہی محسوس ہوتا ہے وفور شوق میں
ہر ادائے دوست جیسے میرے دل کا راز ہے
(حضرت عارفیؒ)

جب ہی تو حضرت والاؒ نے فرمایا تھا کہ۔

اے عارفی اپنے دل پر شوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زبان ہی سے سنائے

ممکن ہے کوئی کاشف اسرار محبت
پھر محفل احباب میں آئے کہ نہ آئے

اور یہ فرما کر بھی حضرت نے ہم سب کے دل کی بات کہی ہے کہ۔

محفل سوز و گداز غم کو گرمائے گا کون
اہل دل کو اپنے درد دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتش سیال غم
مستی خون جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنون عشق کی وارفتگی؟
یوں زباں پہ والہانہ راز دل لائے گا کون
عارفی میرا ہی دل ہے محرم ناز و نیاز
بعد میرے راز حسن و عشق سمجھائے گا کون

جب یہ صفحات لکھنے شروع کئے تو وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ مضمون اتنا طویل ہو جائے گا۔

صرف دو آنسو بہت تھے شرح غم کے واسطے
کیا خبر تھی مختصر دریا کا دل میں ہے
(حضرت عارفیؒ)

مگر حضرت عارفیؒ نے تو یہ پیشن گوئی خود ہی فرما دی تھی کہ۔

جب کبھی اہل وفا یاد کریں گے مجھ کو
جانے کیا کیا مری روداد کے عنوان ہونگے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو "اہل وفا" میں شامل فرما کر صبر جمیل عطا فرمائے، حضرت کے فیوض سے دنیا و آخرت میں مالا مال رکھے، اور حضرت کے درجات اعلیٰ علیین میں بلند سے بلند تر فرمائے۔

فان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیئ عندہ بمقدار، فصبر جمیل واللّٰہ المستعان وعلیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ علی رسولہ الکریم الرؤف الرحیم۔

کتبہ احقر محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
خادم طلبہ دار العلوم کراچی